انڈویجوئل لینڈ

انفرادی آزادی کے لئے کوشاں

فرد

شمارہ نمبر ۱۔ اکتوبر ۲۰۱۸ء

جو سبق ہمیں زمانے نے سکھائے

In collaboration with

Friedrich Naumann STIFTUNG FÜR DIE FREIHEIT

Follow us on twitter and facebook INDIVIDUALLAND

فرد
شمارہ نمبر۔۔۔اکتوبر۲۰۱۸ء

فہرست

ملائیشیا کی ترقی کے نسخے ---------- ۲
بنگلہ دیش کی ترقی کا سفر ---------- ۷
ووٹ حق یا فرض؟ ---------- ۱۰
پرعزم قوم ---------- ۱۲
کالا باغ ڈیم: صوبہ سندھ کا مقدمہ ---------- ۱۶
نوجوانوں میں سیاسی شعور کی بیداری ---------- ۱۹
نئ حکومت، نئ قوانین سازی ---------- ۲۲
سویڈن ایک ترقی یافتہ ملک ---------- ۲۶
ٹیکس کی ادائیگی سہولیات کی فراوانی ---------- ۲۹
گلگت بلتستان کی کہانی ---------- ۳۴

ایڈیٹر:
سندس سیدہ
کوارڈینیشن:
سید فہد الحسن
ڈیزائین
عدیل امجد، ڈاٹ لائنز
پبلشر:
انڈویجوئل لینڈ پاکستان

Individualland
Creating space for the individual
مکان نمبر ۲۸۹، السٹونیا ایونیو، سفاری ولاز فیز۳، بحریہ ٹاؤن اسلام آباد

Friedrich Naumann STIFTUNG FÜR DIE FREIHEIT

یہ میگزین فریڈرک نومین فاؤنڈیشن فار فریڈم کے تعاون سے تشکیل دیا گیا ہے۔ اس میگزین کا مواد اور مندرجات صرف اور صرف پروڈیوسر / مصنفین کے خیالات اور نتائج کی عکاسی کرتے ہیں۔

ایڈیٹر کی میز سے

آج کل ہر کوئی یہ ہی راگ الاپ رہا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی فلاں ملک کی طرح فلاں پالیسی ہونی چاہیئے ۔کبھی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے مختلف ممالک کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں تو کبھی قوانین کی بہتری کی تجاویز پیش کردی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں اٹھائے جانے والے مختلف اقدامات پر مختلف حصہ دار تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں، کبھی ان اقدامات کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے تو کبھی نکتہ چینی کی جاتی ہے یہ ہی نہیں بلکہ تنقید برائے اصلاح کرنے والے بھی ہمارے آس پاس ہی بستے ہیں۔ جہاں سبھی ادارے اور حصہ دار اپنی صوابدید کے مطابق رائے دینے میں اپنا کردار ادا کررہے ہیں وہیں میڈیا کا کردار اہم ہے کہ کیسے شہریوں کی آواز حکمرانوں تک پہنچائی جائے، میڈیا کے ذریعے حکومت کی جانب سے اٹھائے گئے مختلف اقدامات پر تنقیدی جائزہ اور بہتری کی تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اگر ان تجاویز کو شہریوں کی آواز سمجھا جائے اور ان میں سے قابل نفاذ تجاویز پر عمل کیا جائے تو یقیناً مثبت تبدیلی اور ترقی کی جانب پیش رفت ہوسکتی ہے۔

اس ہی صورتحال کے پیش نظر ہماری ٹیم کی کاوش اس شمارے کے مختلف مضامین کی صورت میں آپکے سامنے ہے، جس میں لکھاریوں نے کوشش کی ہے کہ چند ممالک جن میں بنگلہ دیش، ملائشیا، سویڈن اور جاپان وغیرہ شامل ہیں انہوں نے ترقی کے لیے کون سے نسخے استعمال کیے، کیا پاکستان میں ان نسخوں پر عمل درآمد ہوسکتا ہے؟ ہاں، نہیں کیوں کیسے جیسے سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی جو کہ کسی تجزیہ کار کی کوشش اور سوچ کی عکاسی نہیں کرتی بلکہ ایک عام فرد کیا سوچتا ہے اور ان پالیسیوں کو پاکستان کے لیے قابل عمل کیسے گردانتا ہے اس کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا۔ لکھاریوں کی کوشش رہی کہ جن ترقی یافتہ اور ترقی کی جانب گامزن ممالک کی مثالیں پیش کررہیں ہیں ان ممالک میں ہونے والی ترقی اور عام انسان کی زندگی پر اس کے اثرات کا تنقیدی جائزہ بھی لیں۔

دوسرے ممالک کی مثالیں اس لیے پیش کی جارہی ہیں کہ ہمارے ملک میں کوئی بھی ایسے اقدامات نہیں ہیں جن کو یقینی نہ بنایا جاسکے۔ ہم واحد ملک نہیں ہیں جو بے شمار مسائل کا شکار ہے بلکہ بے شمار ممالک ایسے ہیں کسی نے مکمل تباہی کے بعد، کسی نے آزادی حاصل کرنے کے بعد اور دیگر مشکل صورتحال کا سامنا کرتے ہوئے ترقی کی ہے۔ ان کے پاس زیرو سے شروعات کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، اگر وہ خوف میں مبتلا رہتے کہ کوئی کام کریں گے تو ناکامی ہو جائے گی تو شاید کئی عملی قدم نہ اٹھا سکتے۔ ہماری ٹیم نے کی کوشش ہے کہ ہم نے ان چند ممالک سے جو سیکھا اس میں سے بہتری کے لیے تجاویز اور قابل عمل اصلاحات کو مضامین کی صورت میں پیش کریں، تاکہ شمارے کو پڑھنے والے پاکستان کے مختلف اداروں سے وابستہ افراد کو بہتری اور ترقی کے لیے سفارشات مل سکیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ہمارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر ہم نے نیت کرلی ہے تو سمجھ لیں کہ عمل کے لیے راہیں ہموار ہوچکی ہیں۔

سندس سیدہ

ملائشیا کی ترقی کے نسخے

تحریر: انعم باسط

کہا جاتا ہے آگے بڑھنے کے لیے دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھنا ضروری ہے۔ جب بات ملک کو آگے بڑھانے کی ہو تو اِس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی حکمتِ عملی سے سبق حاصل کیا جائے۔ میں جس ملک کی ترقی کی مثال پیش کر رہی ہوں اُس میں پاکستان کے لئے سیکھنے کو کافی اسباق موجود ہیں۔ یہ نہ ہی امریکہ ہے جس کی تاریخ ہمارے ملک سے بہت الگ طرز کی ہو اور نہ ہی برطانیہ ہے جو کہ ایشیا کے براعظم پر حکمرانی کر کے جا چکے ہوں۔ بلکہ میں یہاں ملائشیا کا ذکر کرنے جا رہی ہوں جو کہ بیشتر لحاظ سے پاکستان کے جیسا ہے یا اس جیسا رہ چکا ہے۔ ہمارے بعد، ۱۹۵۷ء میں آزادی حاصل کرنے والے اِس ملک نے ۶۱ سالوں میں ترقی کی وہ بلندیاں سَر کی ہیں جن میں ہمارے ملک کے لئے بہت سے اسباق موجود ہیں۔ پہلے ہم یہ دیکھ لیں کے ملائشیا اور پاکستان میں کیا مماثلت ہے؟ اِن دونوں قوموں پر انگریزوں نے حکمرانی کی تھی۔ دونوں ممالک نے اپنا ایک حصہ کھویا ہے، جس طرح بنگلہ دیش پاکستان سے الگ ہوا اسی طرح سنگاپور بھی ۱۹۶۳ میں ملائشیا سے الگ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد دونوں ممالک میں زیادہ ہے، اِس کے علاوہ دونوں ممالک محل وقوع کے لحاظ سے اپنے ہمسایہ ممالک کے لیے بہت اہم ہیں۔ دونوں ممالک اہم بندرگاہوں اور قدرتی وسائل سے بھی مالا مال ہیں۔

اب یہاں سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے، کہ اتنا کم عرصے میں اتنی ترقی کیسے کی گئی کہ اب ملائشیا دنیا کی سب سے تیزی سے بڑھتی ہوئی معیشت کی صَف میں آ گیا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے غربت ختم کرنے کا ہدف طے کیا اور اُسکی شرح کم کر کے صرف ۰.۶ فیصد تک لے آئے۔ بے روزگاری کو ۳ فیصد تک لے کر آیا جا چکا ہے اور صنعت کو مزدوری اور مشقت والے کام سے تکنیکی اور مہارت والے کام کی طرف منتقل کیا جا چکا ہے کیونکہ وہ تعلیم، تکنیکی اور ووکیشنل تربیت پر بہت سرمایہ کاری کر چکے ہیں۔ تعلیم کی شرح ۲۰۱۰ کے مطابق ۹۸ فیصد تک بڑھ چکی ہے۔ ملائشیا بہترین سرمایہ کاری والا ماحول فراہم کرنے والے ممالک کی فہرست میں بیسویں نمبر پر ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہاں پر سرمایہ کاری ایک حیران کُن حد تک بڑھی ہے۔

ملائشیا کی ترقی کا راستہ سمجھنے کے لیے کچھ نکات کو سمجھنا بہت اہم ہے جن کو میں یہاں پانچ حصوں میں بیان کروں گی۔ پہلا پہلو یہ کہ اپنی منفرد اور خاص محل و وقوع کو استعمال کرتے ہوئے ملک کی ترقی کے لئے استعمال کرنا۔ اپنی بندرگاہ کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ تجارت کو اور زیادہ فروغ دے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی بندرگاہوں کو استعمال میں لاتے ہوئے سمندری شعبہ سے بھی خوب استفادہ حاصل کیا۔ اِس کے علاوہ ملائشیا نے مشرقی ایشیاء کے ممالک کے ساتھ تجارتی معاہدہ کیا ہوا ہے جس سے نہ صرف آپس میں تجارتی عمل میں آسانی آئی ہے بلکہ شہریوں کے آمدنی کے ذرائع اور خریدنے کی طاقت بھی بڑھی ہے۔ اور سرمایہ کاری میں بھی اضافہ ہوا۔

دوسرا اہم پہلو اعلیٰ درجے کی سرمایہ کاری کو فروغ دینے کا ہے۔ ملائشیا کئی قسم کے اجتماع، کاروباری نمائش اور مختلف تجارتی معاہدوں کا حصہ بنا رہتا ہے جس سے نہ صرف اپنے خطّے میں بلکہ عالمی توجہ کا مرکز بھی بن چکا ہے۔ ان معاہدوں اور خِطے میں بہتر روابط بڑھانے سے شہریوں کے لیے کسٹم ڈیوٹی فری اشیاء تک رسائی بھرپور آسان کی گئی ہے۔ اُن کو مختلف ثقافتوں اور زبانوں سے بھی شناسائی حاصل ہے جو کثیر طرح کے ثقافت اور قوموں کو اپنے ملک میں خوش آمدید کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ایسے بہت سے قواعد و قانون بنائے گئے ہیں جس سے سرمایہ کاروں کو سہولتی اور حفاظتی ماحول فراہم کیا جاتا ہے جو کہ سرمایہ کاری کو بڑھانے کے لیے سب سے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

تیسرا اہم پہلو تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دینے کا اور منصوبہ بندی کرنے کا ہے۔ جس کہ ذریعے وہ اب مشقت طبقہ مزدور کے بجائے پڑھے لکھے کاریگر اور ماہر بنانے پر توجہ دے رہے ہیں، تکنیکی آلات اور طریقہ کار کو بڑھا رہے ہیں۔ چوتھا اہم پہلو یہ ہے کہ اپنے ملک کے قدرتی وسائل کو بھرپور طریقے سے استعمال کر رہے ہیں۔ اِن کی زراعت کو دیکھا جائے یا پھر سیر و سیاحت کی صنعت کو، ملائشیا کھجور کے تیل، ربڑ اور ٹن کی پیداوار سے مالا مال ہے۔ کھجور کے تیل کی دنیا بھر میں دوسری بڑی پیداوار یہاں پر ہوتی ہے۔ زراعت میں آبپاشی کے جتنے جدید طریقہ کار یہاں پر استعمال ہو رہے ہیں ان میں سے پاکستان کو بھی سیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہاں پر سمندری پانی کو بھی فصل کے لئے کارآمد بنانے کے طریقہ کار عمل میں لایا جا رہا ہے۔ ملائشیا میں سیر و سیاحت کی صنعت بھی عروج پر ہے جو کہ ملک کی آمدن کا ایک بڑا ذرائع ہے۔ اِس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ملائشیا میں مختلف نسل کے لوگ آباد ہیں، سب کے لئے پُر امن اور دوستانہ سیاحتی ماحول مہیا کیا جاتا ہے۔ یہاں پر بسنے والی کُل ۴۷ نسلیں آباد ہیں جن میں انڈین، چائنیز اور ملے (مسلمان) سب سے کثیر تعداد میں ہیں اور باقی ۴۴ بیشتر نسلی گروہ آباد ہیں۔ مسلم قانون لاگو ہونے کے باوجود اِس ملک میں تمام مذاہب اور نسلوں سے تعلق رکھنے والوں کو ہر طرح کی آزادی اور حقوق حاصل ہیں۔ ساتھ ہی میں ملائشیا کا سہانہ پُر لطف موسم، جنگلات اور آبی دلکش مناظر پر منحصر زمین سیاحوں کو لبھانے کا باعث ہیں۔ پانچواں اور سب سے اہم پہلو اِن کی مضبوط قانون سازی اور اُن پہ برملا حکومتی اختیار کا ہے۔ ملائشیا کے تمام اہم بڑے اِداروں کو حکومت کے ساتھ ملا کر باہم اِدارتی صورت بنائی جاتی ہے اور قوانین و قواعد کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اِسی کی وجہ سے تعلیم، صحت کے معیار، آمدنی بڑھانے اور تجارت میں بے پناہ حد تک کامیاب ہوئی ہے۔ اسلامی طرزِ حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے بیشتر پالیسیاں ترتیب دی گئی ہیں جن پر پوری طرح سے عمل کیا جاتا ہے۔ ملائشیا کو ایک عمدہ ترین اسلامک فائیننس مارکیٹ ہونے کا درجہ بھی حاصل ہے۔

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ملائشیا میں کوئی مسائل ہی نہیں ہیں۔ کوئی بھی ایسا ملک یا ریاست نہیں رہی جو مسائل اور دشواریوں سے نہ گزری ہو۔ اگر دیکھا جائے تو ملائشیا میں چینی، مقامی انڈین اور ملے قوم میں بھی عدم مساوات کا تصور ہے۔ وہاں کے میڈیا کو آزادی نہیں ہے کہ سب مظالم یا سیاسی تنازعات کو کھل کر نشر کر سکیں پر ۲۰۰۸ کے عام انتخابات میں سیاسی انتخابات کی کوریج میں قدرے اضافہ ہوا۔ مئی ۲۰۱۸ میں آنے والے نئی حکومت نے میڈیا کی آزادی کا وعدہ بھی کیا

ہے۔ اِن کی سیاسی پارٹیوں میں بھی کوئی جماعت چینی یا انڈین شہریوں کی الگ سے ترجمانی کے لیے نہیں بنائی گئی۔ ہر جماعت میں صرف چینی، انڈین اور باقی قوموں سے تعلق رکھنے والوں کو ٹوکن دے دئے جاتے ہیں کہ وہ ایک ہی جماعت میں رہتے ہوئے اپنی نمائندگی کر سکیں۔ ملائشیا کی ہر ریاست میں ملکی آئین کے مطابق سربراہی صرف شاہی ملے (مسلمان) ہی کر سکتے ہیں۔ ہر ریاست کے لیے عملی پالیسی بناتے وقت تمام قوموں اور ریاستوں کا خیال رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے سیاسی استحکام برقرار رہتا ہے جیسا کہ سال میں تین دفعہ تمام ریاستوں کے گورنر کی کانفرنس رکھی جاتی ہے جس میں سب اکھٹے ہو کر ریاست اور قومی پالیسیوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں اور اِن سے جڑے مسائل کا حل نکالتے ہیں۔

ملائشیا میں بھی کچھ شَر پسند عناصر موجود ہیں پر اُس پر قابو پانے کے لیے بھی اُن کی حکومتی کاروائی اور نظام کو بھی سب سے بہترین تصور کیا جاتا ہے۔ اِس کے لیے سب سے اہم عمل 'اندرون حفاظتی ایکٹ' ہے جس کے تحت وہ ہر کاروائی کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مشکلات اور نقصان اُٹھانے سے پہلے اُس کا توڑ کرنا جانتے ہیں۔ اُن کے قومی حالات اِس لیے بھی بہتری کی جانب بڑھ رہے ہیں کیونکہ اُن کے بنائے گئے ملکی ترقی کے نقشے اور پالیسیوں میں 'رکیات یعنی کے عام انسان' کو بنیاد بنایا گیا ہے، عام انسان کی بہبود اور ہر شہری کے ساتھ برابری اور بھلائی کا طرزِ سلوک اختیار کیا گیا ہے۔ جس کی عکاسی اُن کی لگاتار ۱۹۷۱ سے لے کر ۲۰۲۰ تک کے لیے بنائی گئی پالیسیاں کرتی ہیں جن کو مختلف معیاد کے لیے بنایا گیا۔ یہ قومی پلان ملکی

حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر ترتیب دیے گئے جن میں ملکی بڑے پیمانے کی معاشی پالیسیوں سے لے کر ایک گھر کی آمدنی بڑھانے تک کے لئے پلان تیار کیے گئے۔ جیسا کہ ۲۰۱۶ء۔۲۰۲۰ء کے پلان میں یہ طے کیا گیا کہ ۲۰۲۰ء تک ہر گھر کی آمدن اتنی بڑھ جائے کہ ملائشیا اعلیٰ آمدنی والے ممالک میں شمار ہو

جائے۔ ملائشیا کی معیشت اِن کے قومی نشان 'چیتا' کی عکاسی کرتی ہے۔ یہاں کی معیشت نے صرف چیتے کی طرح تیزی سے آگے بڑھنے کا اعزاز ہی نہیں بلکہ تمام شہریوں کی اس ترقی میں شمولیت ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا ہے۔ اِن کے ترقیاتی پلان بہت باریکی سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ جن پر انہوں نے پوری طرح عمل کیا اور صرف آگے بڑھنا ہی سیکھا، اور پھر کبھی تنزلی نہیں دیکھی۔ ملائشیا کی 'بومیپترا پالیسی' کی ابتداء کا مقصد بھی ملک میں بسنے والی قوموں کے درمیان عدم مساوات کو ختم کرنا تھا جس میں ملاوی قوم کو ملائی چینیوں کے برابر آنے کا موقع دیا گیا۔ یہ بات الگ ہے کی اِس پر کافی تنقید بھی کی گئی پر اِس پالیسی کے بہتر نتائج بھی سامنے آئے اور دونوں قوموں کے معاشی فرق کو پچھلی دہائیوں میں کم بھی کیا گیا۔

یہاں پر اِس بات کو بھی باخوبی کام میں لایا گیا ہے کہ اُن کے جوان طبقے کی آبادی ۷۰ فیصد ہے جو کہ پیداوار پر بھرپور فرق ڈال سکتی ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم اور صحت پر بہت سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ اسی طرح حال ہی کہ پاکستان کے مردم شماری کے مطابق نوجوانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ تو یہاں بھی نوجوان نسل کو بہتر طریقے سے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ یہاں پر بھی نوکری اور کام نہ ملنے، ملک میں آبادی کے اضافہ ہونے کے دباؤ سے نکل کر بہتر طرح سے ان کی بھلائی کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک جائزہ کے مطابق ملائشیا وہ ملک ہے جس کی معیشت پچھلے پچیس سالوں میں ہر سال اوسطاّ ۷ فیصد تک بڑھی ہے۔ دوسرا اہم سبق جو ہم ملائشیا سے سیکھ سکتے ہیں وہ سیاسی استحکام کو عمل میں لانے کی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ملائشیا میں کوئی سیاسی مسائل جنم نہیں لیتے پر قانون کی بالادستی اور حکومتی اِداروں کو مضبوط بنانے کی وجہ سے سیاسی استحکام کو قدرے بہتر بنایا گیا ہے۔ بنائی گئی پالیسیوں پر تمام اِدارے مل کر ایک دوسرے سے باہم تعلق اور نیٹورک کی شکل میں پالیسی اور پلان کا نفاذ کرتے ہیں۔ قانون کے نفاذ کو بدعنوانی سے بالاتر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اِسی کی وجہ سے ملائشیا میں سرمایہ کاری کے نظام کو بھی بہت فروغ ملا کیونکہ مضبوط اِدارے قانون کی پاسداری کو یقینی بناتے ہیں جس کی وجہ سے سرمایہ کاروں کو ایک پُرامن اور محفوظ کاروباری ماحول میّسر آتا ہے۔ اگر کوئی بدعُنوانی یا فراڈ جیسے معاملات ہو بھی جائیں تو اُن سے نمٹنے کے لیے مکمل قانونی کاروائی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے شاید جس کی وجہ سے ملائشیا کو سب سے کم بدعنوانی کرنے والے مما لک کی فہرست میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

آپ خود فیصلہ کریں جہاں بدعنوانی کم سے کم ہوگی، حکومتی اِدارے اور قوانین مضبوط ہوں گے، ترتیب دیے گئے قوائد اور پالیسیوں پر ایمانداری اور شفافیت سے عمل کیا جائے گا، رنگ نسل یا پہچان کے تعصب کے بغیر ملک کے ہر شہری کی بھلائی کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں گی تو وہ ریاست دن دگنی رات چگنی کیسے ترقی نہیں کرے گا....؟

مصنفہ انڈیویجوئل لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

بنگلہ دیش کی ترقی کا سفر

تحریر: حور کاکڑ

۱۹۷۱ء نو ماہ طویل جنگ کے بعد پاکستان سے بچھڑنے کے بعد بنگلہ دیش بن تو گیا لیکن اس کی قیمت اس نے اپنی معاشی، سماجی اور سیاسی ساخت کی تباہی کی صورت میں ادا کی۔ آزادی کی لہر تو جمہوریت کے زور پر اٹھی تھی لیکن آزادی کے کچھ سال بعد ہی آمریت کا دور آیا، جس سے اس نئی ریاست کو مضبوطی سے کھڑا کرنے والے اقدام اٹھانے میں مشکل پیش آئی۔ بنگلہ دیش نے ابتدائی دو دہائیاں اپنی پیش رو ریاست پاکستان کے نقش قدم چلتے ہوئے آمریت کے زور پر حکمرانی میں استحکام لانے کا راستہ چنا؛ لہٰذا بنگلہ دیش میں ان دو دہائی کے دوران ترقی کی رفتار کچھ حد تک منجمد ہی رہی، ۱۹۷۳ء کے منظور شدہ آئین کو پامال کر دیا گیا۔ یہاں ہم یہ سوال اٹھا سکتے ہے کہ کیا یہ ان کی حکمت عملی تھی کہ آزادی کو کھونے کے ڈر سے اپنے سب سے مضبوط ادارے کو حکومت کا نظام چلانے کے لئے آگے کر دیا؟۔ البتہ اپنی پیش رو ریاست کی معاشی، سماجی اور سیاسی ساخت کی استحکام و عدم استحکام کی تسلسل کے برعکس بنگلہ دیش میں جونہی ۱۹۹۱ء میں جمہوری حکومت بحال ہوئی، اس نے اپنی معاشی اور سماجی ساخت کی ترقی کو فوقیت دی۔

جمہوریت کی بحالی کے بعد بنگلہ دیش کی ہر ممکنہ حکومت نے وسیع پیمانے پر معاشی اور سماجی اصلاحات کو اپنی حکمرانی کا مرکزی مقصد قرار دیا۔ ہر منتخب جمہوری حکومت نے طرز حکمرانی میں بدعنوانی، وسائل کی کمی اور قدرتی آفات کے خطرات جیسی رکاوٹوں اور ناکامیوں کے باوجود معاشی اور سماجی تبدیلی کو ترجیح دی۔ اس کے باعث آج بنگلہ دیش ترقی کی طرف گامزن ان ممالک میں سے ہے جنہوں نے ملینیم ڈویلپمنٹ گولز (ایم۔ڈی۔جیز) کے ہدف کو بروقت حاصل کیا۔ جب ۲۰۱۵ء میں سسٹینیبل ڈویلپمنٹ گولز (ایس۔ڈی۔جیز) پیش ہوئے تو بنگلہ دیش کا عزم ترقیاتی منصوبہ بندی کی ترجیحات سے واضح ہو گیا۔ آج ۳۷ سالوں میں بنگلہ دیش دنیا کے ترقی کی طرف گامزن ممالک کے لئے ایک مثال بن گیا ہے، جبکہ اس ترقی کے سفر میں بے شمار مشکلات آئیں اور یہ سفر ابھی تک جاری ہے۔

یہ ترقی کی طرف گامزن وہ ملک ہے جو کہ حال میں دنیا میں زیادہ آبادی رکھنے والے ممالک میں تقریباً ۱۶۶.۳۷ ملین آبادی کے ساتھ آٹھویں نمبر پر ہے۔ اگر ہم اس کی بڑی آبادی کو مدنظر رکھیں تو اس نے اپنے جیسے ترقی کی جانب گامزن ممالک کو اقتصادی ترقی میں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ۲۰۱۸ء میں اس کی اقتصادی ترقی کی شرح ۷.۱ فیصد جبکہ پاکستان کی اقتصادی ترقی کی شرح ابھی ۵.۸ فیصد ہے۔ ابتدا میں بنگلہ دیش کو امریکی سیکیورٹی مشیر ہینری کسنگر نے اس کو 'باسکیٹ کیس' کہا تھا آج یہ اپنے ہم منصب ترقی کی طرف گامزن ممالک میں سب سے آگے ہے۔ میری نظر میں اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمہوری حکومت کی بحالی کے بعد انہوں نے تو ترقیاتی معاملات کو متواتر رکھنے کے لیے پہلے میکرو اکنومی کو ترجیح دی۔ جس کی بدولت ۲۰۰۰ء کی دہائی میں بنگلہ دیش کی قومی سطح پر معیشت مستحکم ہوگئی۔ میکرو اکنامک کے استحکام کے بعد حکومت نے مائیکرو اکنامک کی طرف توجہ دی، جس کے باعث کمیونٹی کی سطح پر سماجی ترقی کے لئے اقدامات کا آغاز کیا۔ بنگلہ دیش کی سماجی پیش رفت اور ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکس میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ اب بنگلہ دیش کی معیشت غیر ملکی سرمایہ کاری پر مبنی نہیں بلکہ کم لاگت مائیکرو فنانس پروگراموں، متحرک نجی شعبے اور برآمد پر مبنی ٹیکسٹائل اور کپڑوں کی صنعتوں پر منحصر ہے جس کے ذریعے فارن ایکسچینج اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو فروغ مل رہا ہے۔ بنگلہ دیش ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکیٹرز جیسا کہ بچوں کی اموات کی شرح، صنفی مساوات وغیرہ میں اپنے پڑوسی ملک بھارت سے بھی آگے نکل چکا ہے۔ امکان ہے کہ بنگلہ دیش بھارت کو معاشی طور پر بھی پیچھے چھوڑ دیگا۔

اگر ہم ترقی کی طرف گامزن ممالک کے ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکس دیکھیں تو سب سے بڑا مسئلہ غربت ہے۔ بنگلہ دیش آزادی کے وقت دنیا کے دوسرے غریب ترین ملک تھا جو آزادی کے تین سال بعد ۱۹۷۴ء میں تباہ کن قحط کا سامنا کرنا پڑا، اس صورتحال میں اس نے اپنی ترقی کی راہ میں اپنی ممتاز اقتصادی استحکام کو برقرار رکھنے کے لئے ملک میں غربت کے مسئلے پر قابو پانے کے لئے اقدامات اٹھائے۔ اس نے سماجی نقل و حرکت اور بنیادی خدمات کی رسائی کو

تمام طبقات کے لئے بہتر کیا۔ بنیادی طور پر غربت کو ختم کرنے کے ان اقدامات کے ذریعے بنگلہ دیش نے اپنا ۲۰۲۱ء کے مقرر کردہ مقصد ۲۰۱۸ء کے آغاز میں ہی حاصل کر لیا۔ آج بنگلہ دیش ہر طبقے کے لئے معیشت کی رسائی کو یقینی بنانے میں کامیاب رہا ہے؛ ورلڈ بینک کی تحقیق کے مطابق اس معاشی ترقی کے باعث بنگلہ دیش میں غربت ۱۴ فیصد کو پہنچ چکی ہے، جو کہ ۱۹۹۱ء میں جمہوریت کی بحالی کے وقت ۴۰ فیصد تھی۔

بنگلہ دیش نے بنیادی سہولتوں کی فراہمی کو ہر چیز پر فوقیت دی۔ آج یہ ہیومن ڈیویلپمنٹ انڈیکس میں ۱۳۹ نمبر پر ہے جو کہ اس کی ۲۰۱۵ء میں ریکارڈ کی گئی پوزیشن سے ۳ مقامات بہتر ہے۔ بنگلہ دیش نے شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے خواتین کی صلاحیت کو پہچانا اور ان کو اپنی معیشت کا حصہ بنایا۔ آج صنفی مساوات کے معاملے میں بنگلہ دیش جنوبی ایشیا کے ممالک میں سب سے آگے ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی ترقی کے عناصر بشمول تعلیم، صحت اور روزگار کے شعبوں میں بھی صنفی مساوات کو فروغ دیا جاتا ہے۔ تعلیم کے شعبے میں انہوں نے خواتین کو معاوضہ دینے پر مبنی پروگرام کے ذریعے تعلیم نسواں کو فروغ دیا جس کے باعث آج بنگلہ دیش کی پرائمری سطح کے تعلیمی اداروں میں اندراج کی شرح ۹۸ فیصد اور سیکنڈری سطح کی تعلیمی اداروں میں اندراج کی شرح ۵۴ فیصد کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کو ٹیکسٹائل صنعتوں میں ملازمت کے مواقع فراہم کئے۔ حکومت اور نجی اداروں نے آبادی کو کنٹرول کرنے، کم عمر شادیوں کو گھٹانے، زچگی کے دوران اموات کو کم کرنے، تعلیم اور صحت کی رسائی کو آسان بنانے اور خواتین کیے لیے اقتصادی شعبے میں شرکت کرنے کو فروغ دیا۔ لہٰذا حکومت اور نجی اداروں میں خواتین کی بااختیاری کو فروغ دینے کے باعث ان کے تعلیم، صحت اور ملازمت کے شعبے ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ اس کی اقتصادی ترقی کے محرکات میں سب سے اہم نوجوان نسل کو ہر شعبے میں مہارت دینا ہے، خاص طور پر صنعت وحرفت کے شعبے میں ان کی شمولیت کو فروغ دینا ہے۔ بنگلہ دیش اپنے سماجی، معاشی، سیاسی تجربات کے ساتھ ساتھ جغرافیائی محل وقوع، تاریخ اور سیاحت کے باعث پاکستان کے لئے پیروی کی مثال ہے۔

مستحکم اقتصادی اور سماجی پیش رفت کے برعکس بنگلہ دیش معیار، اداروں اور مضبوط طرز حکمرانی کے باعث اپنی مکمل صلاحیتوں میں ترقی نہیں کر پا رہا ہے۔ اس کی وجہ بنگلہ دیش میں اپنے پیش رو ریاست کی طرح سیاسی عدم استحکام اور بدعنوانی کا تسلسل ہے۔ اگر یہ اپنی معیشت کی ترقی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو پاکستان کی معیشت سے ہی سبق لے لینا چاہئے جو کہ بدانتظامی اور نامناسب طرز حکمرانی کے باعث سماجی اور معاشی شعبوں کی ترقی کی طرف دوڑ میں کافی پیچھے ہے۔ اپنی طرز حکمرانی کے مسائل کو حل کر کے ہی بنگلہ دیش اپنی اقتصادی شعبے کی ترقی کے لحاظ سے ترقی کی طرف گامزن ممالک، خاص طور پاکستان کے لئے غربت کو کم کرنے اور ترقی کو مستحکم بنانے کے لئے ایک بہترین مثال بن جائے گا۔

مصنفہ انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

ووٹ حق یا فرض ؟

تحریر: ریحان علی

اگر میں یہ کہوں کہ پورا ملک سیاسی ہو چکا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ چاہے ہم اپنے گھروں میں ہوں، گاؤں میں، سڑک پر، کام پر یا پھر سوشل میڈیا استعمال کر رہے ہوں ہم مسلسل سیاست پر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر چہ لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہیں مگر ہم اس پر اتفاق کر سکتے ہیں کے ہر کوئی یہ چاہتا ہے کے ملک آگے بڑھے اور ترقی کرے۔ اس ملک کے ذمہ دار شہری کے ہونے کی حیثیت سے ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کے ہم اس ملک کو بہتر کرنے کے لیے خود کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب ٹیکس ادا کرنا ہوسکتا ہے، غریبوں کی مدد کرنا ہوسکتا ہے اور اپنی زندگی امن اور ایمانداری سے گزارنا ہوسکتا ہے۔ میرے خیال میں ووٹ ڈالنا بھی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ میرے خیال میں ووٹ ڈالنا ایک فرض ہے بجائے ایک حق کے۔ رائے حق دہی سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کے ہم کس پر اعتماد کرتے ہیں اور کون ہمارے اس امید پر پورا اترے گا۔ ہم اس پر طویل بحث کر سکتے ہیں کے ہم پاکستان کو کس طرح کا ملک دیکھنا چاہتے ہیں اور کون پاکستان کا حکمران ہو۔ لیکن اس بحث کا کیا فائدہ اگر ہم نے انتخابات کے دن گھر پر ہی بیٹھنا ہے۔

ووٹنگ ایک بنیادی عمل ہے جس کے ذریعے ملک کا حکومتی نظام چلتا ہے۔ ووٹ کے ذریعے شہریوں کو اختیار ہوتا ہے کے وہ اپنی پسند کے نمائندوں کو حکومت میں لے کر آئیں۔ ہر حکومت کا مقصد ہے کے وہ پالیسیاں بنائے اور شہریوں کے فائدے اور بہتری کے لیے ان پالیسیوں پر عمل درآمد کرے۔ ووٹ ایک شخص کو اپنی حکومت سے سوال کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ ووٹ کے ذریعے شہری ایک جمہوری معاشرے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ووٹ جمہوری عمل کو برقرار رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

اگر ہم پاکستان میں رجسٹرڈ ووٹرز کی بات کریں تو رجسٹرڈ ووٹرز کی کل تعداد ۹۵۔۱۰۵ ملین ہیں، جس میں سے ۲۔۵۹ ملین مرد اور ۷۔۴۶ ملین ووٹرز خواتین ہیں۔ پاکستان کے ۹۵۔۱۰۵ ملین ووٹرز میں سے ۸۰،۰۰۰ قیدی جو پاکستان کی جیلوں میں ہیں ان کو ووٹ کا حق تھا لیکن الیکشن کمیشن آف پاکستان نے قیدیوں کے لیے ووٹ ڈالنے کے حوالے سے کوئی انتظامات نہیں کیے جس کی وجہ سے ۲۰۱۸ء کے انتخابات میں قیدی اپنے ووٹ کا حق استعمال نہ کر سکے، جو بہت مایوس کن تھا۔ قیدیوں کا ووٹ دینا جمہوریت کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ یہ جمہوریت کے لیے ضروری ہے کے ہر کسی کو ووٹ دینے کا حق ہو۔

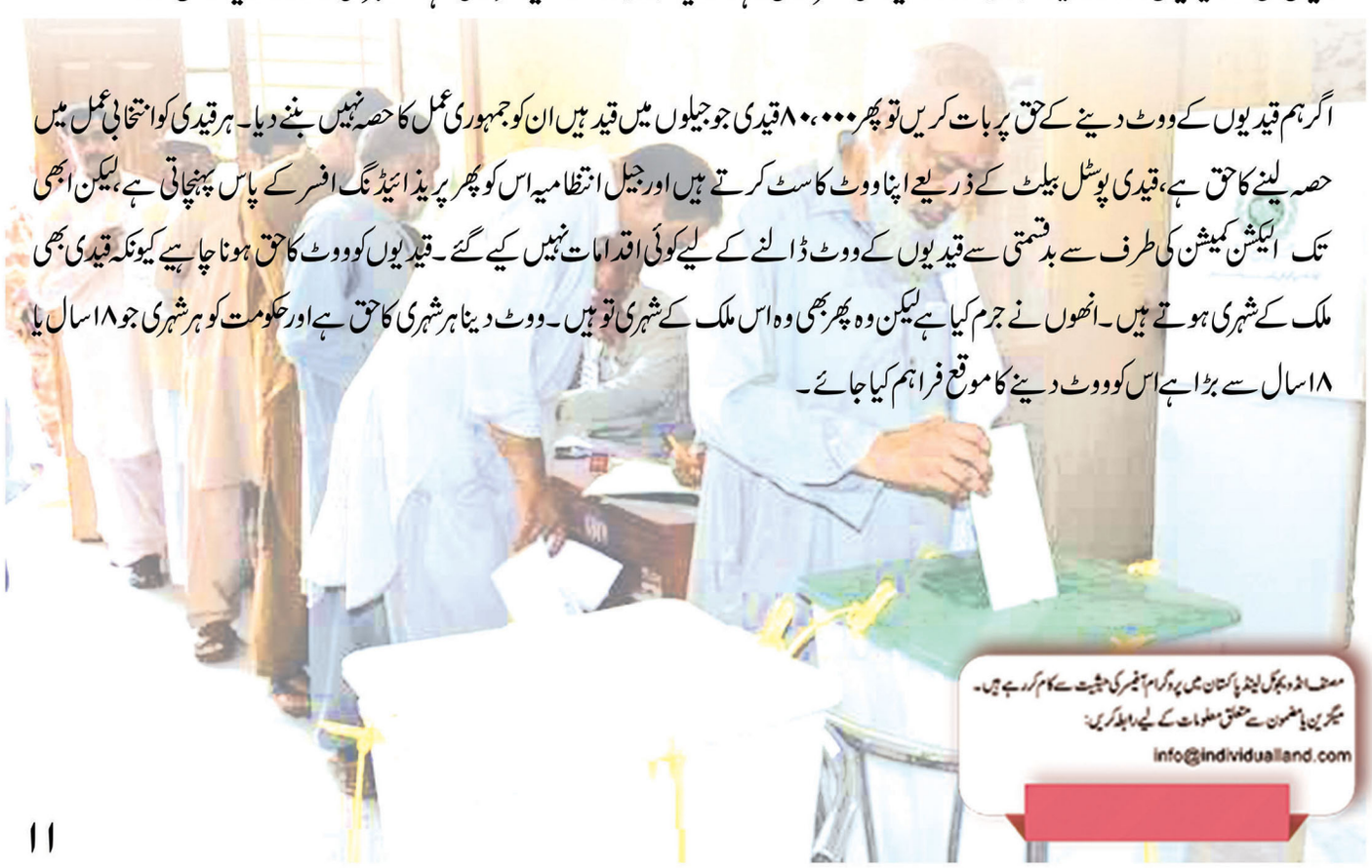

اگر ہم قیدیوں کے ووٹ دینے کے حق پر بات کریں تو پھر ۸۰،۰۰۰ قیدی جو جیلوں میں قید ہیں ان کو جمہوری عمل کا حصہ نہیں بننے دیا۔ ہر قیدی کو انتخابی عمل میں حصہ لینے کا حق ہے، قیدی پوسٹل بیلٹ کے ذریعے اپنا ووٹ کاسٹ کرتے ہیں اور جیل انتظامیہ اس کو پھر پریذائیڈنگ افسر کے پاس پہنچاتی ہے، لیکن ابھی تک الیکشن کمیشن کی طرف سے بدقسمتی سے قیدیوں کے ووٹ ڈالنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے۔ قیدیوں کو ووٹ کا حق ہونا چاہیے کیونکہ قیدی بھی ملک کے شہری ہوتے ہیں۔ انھوں نے جرم کیا ہے لیکن وہ پھر بھی وہ اس ملک کے شہری تو ہیں۔ ووٹ دینا ہر شہری کا حق ہے اور حکومت کو ہر شہری جو ۱۸ سال یا ۱۸ سال سے بڑا ہے اس کو ووٹ دینے کا موقع فراہم کیا جائے۔

مصنف انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

پرعزم قوم

تحریر: سندس سیدہ

یہ ایک ایسے بڑی سمندری سلطنت کے عزم اور ہمت کی داستان ہے جس کی آبادی تقریباً 127.3 ملین اور رقبہ 377,972 مربع کلومیٹر ہے۔ آج یہ ملک ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکس میں سترویں نمبر پر ہے۔ یہ قوم دوسری جنگ عظیم نہیں بھولی جب چھ اگست 1945 کو 'لٹل بوائے' کے بے ضرر سا نام دیے جانے والے بم نے ایک ہی شہر کے ستر ہزار لوگوں کو ابدی نیند سلا دیا، اس حملے کے تین روز بعد "فیٹ مین" نامی بم نے دوسرے شہر میں تقریباً اتنے ہی لوگوں کو لقمہ اجل بنایا۔ چند روز میں مرنے والوں کی تعداد دوگنی ہوگئی۔ بیماریوں، زخموں اور تابکاری شعاعوں کی وجہ سے اموات میں اضافہ ہوتا رہا ایک محتاط اندازے کے مطابق اموات کی تعداد تقریباً دو لاکھ تیس ہزار ہوگئی۔ ایک ایسا ترقی یافتہ ملک دنیا میں جسکا طوطی بولتا تھا۔ پوری دنیا ایک طرف اور یہ ملک دوسری طرف مگر سب پہ بھاری تھا۔ اس ملک کی ترقی، خوشحالی، دفاع، صنعت، معیشت اور معاشرت کی عمارت کو ایٹمی حملے نے زمین بوس کر دیا تھا۔ یہ قوم بیماری ہوئی، نفسیاتی دباؤ کا شکار رہی، فوج تباہ ہوگئی سینکڑوں فوجیوں نے خودکشی کر لی جبکہ سینکڑوں کو سزائیں سنا دی گئیں۔ ہر نظام اور ہر ادارہ زمین بوس ہو کر رہ گیا تھا لیکن اس قوم کا عزم اور حوصلے پست نہیں ہوئے تھے۔ تقریباً 66 شہر تباہ ہو چکے تھے اس نے تباہی کے بعد دوبارہ معاشی طاقت بننے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لیے کام شروع کرنے کی امید کو تر و تازہ رکھا۔

ترقی کی رفتار اور منزل دونوں کی جانب توجہ دی گئی مشین گن بنانے کی جگہ سلائی مشینیں بننے لگیں، آپٹیکل ویپن کی جگہ کیمرے اور دوربینیں بننے لگیں، ٹینکوں کی جگہ کاریں بننے لگیں۔ سڑکیں ادارے، نظام ہر چیز کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اب وہ دور ہے کہ اگر ہم نے کسی چیز کی پائیداری کی مثال دینی ہو تو کہتے ہیں "فلاں چیز جاپانی ہے جاپانی"۔ جاپانی پر جس طریقے سے زور دے کر بولا جاتا ہے صحیح معنوں میں لگتا ہے کہ نام ہی کافی ہے، یا کوئی اعلیٰ پائے کا برانڈ ہے۔ ''جاپانی لوہا'' کسی بھی مشین یا گاڑی میں مضبوطی کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ مکمل تباہی کے بعد دوبارہ شروعات کی اور تقریبا پینتیس سال (1980) میں یہ ملک دنیا کی دوسری بڑی معیشت بن گیا تھا۔ ماضی کو جھٹک کر "ملک کو مالا مال کرنے" اور "فوج کو مضبوط کرنے" کے نعرے کو حقیقت میں بدلنے کے لیے جاپان نے انتہائی تیز رفتاری سے صنعتی اور عسکری ترقی کی اور ایک عالمی طاقت کے طور پر سامنے آیا۔

جاپان نے تعلیم پر توجہ مرکوز کی تعلیمی اداروں کی تعمیر اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر مزید زور دیا جانے لگا۔ اب جاپان میں ابتدائی سات سالوں میں بچے کی تربیت پر زور دیا جاتا ہے تاکہ وہ ایک ذمہ دار شہری بن سکیں۔ بنیادی تعلیم حقیقتاً لازمی ہے، نظام تعلیم میں یکسانیت ہے کسی خاص طبقے سے پیسے نکلوانے کے لیے کاروبار نہیں ہو رہا۔ ملک سے باہر جا کر پیسا کمانا تعلیم کے حصول کے مقاصد میں شامل نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے پہلے وزیر تعلیم (1885) آری نوری موری کے قول پر عمل کیا جس کا کہنا تھا کہ ''جاپان میں تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ایسے لوگ تیار کیے جائیں جو فنون اور سائنسز کی تیکنیکوں سے بہرہ ور ہوں بلکہ اس کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو ریاست کو درکار ہوں''۔ انہوں نے ایسے افراد تیار کیے جنکی ضرورت ریاست کو تھی، کیونکہ ریاستیں اقوام کے بل بوتے پر ہی ترقی کرتی ہیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ ملک کی ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر نظام تعلیم متعارف کروایا گیا تاکہ ایسے افراد تیار کیے جاسکیں جو ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کریں۔ آج بھی تعلیم (مدرٹنگ ایجوکیشن۔ مادری زبان) جاپانی زبان میں دی جاتی ہے تاکہ زبان کی حدود لگا کر سیکھنے کے راستے نہ بند کیے جائیں۔ آج اس ملک کی شرح خواندگی ننانوے فیصد ہے۔

ملک کی ترقی کی خاطر سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے ملازم اور مزدور دس گھنٹے کام کرتے اور آٹھ گھنٹے کی تنخواہ لیتے۔ یاد رہے اس ملک کے پاس قدرتی (تیل، کوئلہ، لوہا وغیرہ تھے) اور زرعی وسائل بھی محدود تھے لیکن اس نے محدود وسائل کو اپنی کمزوری نہیں بنایا بلکہ مہارات سکھانے تعلیم پر توجہ دی۔ اس کے

پاس کسی دوسرے ایشیائی ملک کی مثال موجود نہیں تھی کہ وہ ترقی یافتہ ممالک کی پالیسیوں سے سبق حاصل کر کے ترقی کی راہیں تلاش کر سکتے، بلکہ یہ پہلا ایشیائی ملک ہے جس نے نہ صرف ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنی دھاک بیٹھائی بلکہ صنعتی ترقی کرنے والا پہلا ایشیائی ملک بن گیا۔

زلزلوں اور سونامی کے خطرات سے گھری ہوئی اس سرزمین کے لیے ناگہانی آفات ترقی نہ کرنے کا بہانہ نہیں ہیں بلکہ انہوں نے ان سے نمٹنے کے لیے بنیادی ڈھانچوں کو مزید مضبوط بنایا، تاکہ وہ آفات جن کو روکا نہیں جا سکتا اسکو مضبوط بنیادیں ہلانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ 2011 کا سیلاب جس کی وجہ سے بیس ہزار اموات ہوئیں، ڈھائی ہزار افراد لاپتہ اور ہزاروں افراد بے گھر ہوئے، تقریباً چوبیس لاکھ کروڑ کا نقصان ہوا، ایک لاکھ تیس ہزار عمارات تباہ ہوگئیں، بجلی کی پیداوار میں چالیس فیصد کمی ہوگئی، لیکن جاپانی ہر آفت سے سبق سیکھ کر ایمانداری کے ساتھ کام کرتے ہیں اور ڈھانچہ مزید مضبوط بناتے جاتے ہیں۔

یہ تو ناگہانی آفات کی بات ہے جس کے بعد ہر مرتبہ وہ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر بات کریں ملک کی سربراہی کے حوالے سے تو جن ممالک میں یہ رونا رویا جاتا ہے کہ جمہوریت کے تسلسل میں خلل آجاتا ہے اس وجہ سے ملک ترقی نہیں کر سکا تو انکے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاپان کا بھی کوئی وزیراعظم اپنی اسمبلی کی مدت پوری نہیں کر سکا تھا۔ کئی کرپشن میں نکال بھی دیئے گئے۔ سب سے طویل مدت خدمات انجام دینے والے وزیراعظم تارو کتسورا 1901-1903 تھے لیکن موجودہ وزیراعظم شنزو آبے جو کہ 2012 سے وزیراعظم ہیں اور 2021 تک رہیں گے۔ یہ جاپان کے دوسرے طویل مدت تک رہنے والے وزیراعظم ہیں۔ اسکے باوجود انکے اداروں اور ملک کی ترقی کو کسی ایک شخص سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ ایسا نظام متعارف کروا چکے ہیں جس پر ہر شخص ایمانداری سے عمل کرتا ہے، انکا نظام افراد کا محتاج نہیں ہے بلکہ افراد خود کو نظام کے تابع سمجھتے ہیں۔

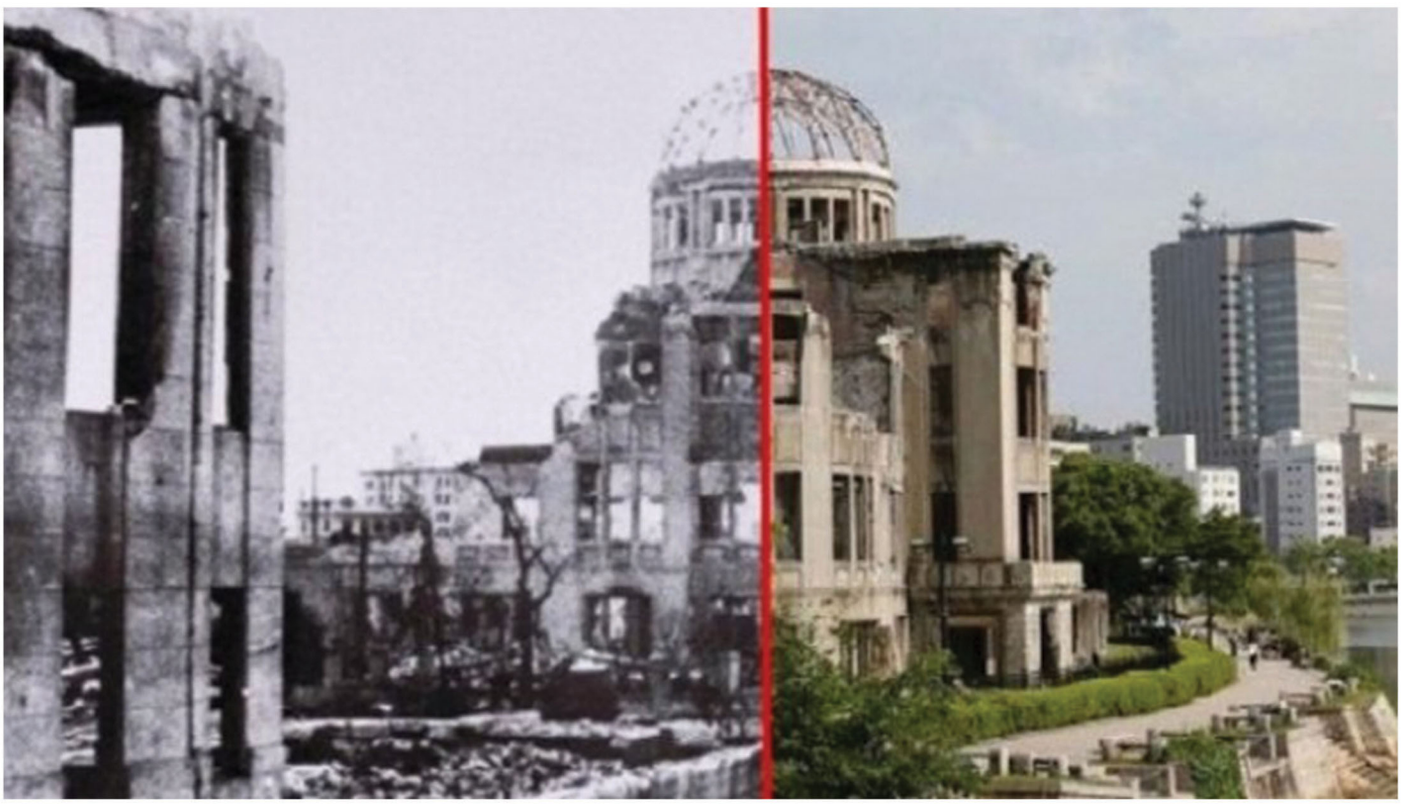

ایسا بھی نہیں ہے کہ وہاں کے تمام حکمران اور شہری ذمہ دار ہیں یا کرپٹ نہیں ہیں۔ وہاں بھی لوگ کرپٹ اور غیر ذمہ دار ہیں لیکن انکو قوائد وضوابط کے ذریعے ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ انکے حکمرانوں اور محکموں کی جانب سے کسی بھی چیز پر ردعمل کا اظہار کیا جاتا ہے تاکہ بہتری کی جانب پیش رفت ہو سکے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ انکے شہری بھی احتساب کے حق کو استعمال کرتے ہیں تاکہ دونوں جانب سے توازن قائم رہے۔ یہ سب کام اس لیے انکے لیے ضروری ہو چکے ہیں کیونکہ سوک ایجوکیشن کی اہمیت کو نہ صرف اجاگر کیا گیا بلکہ ہر شہری ذمہ دار شہری ہے جو اپنے حق کے لیے تو آواز اٹھاتا ہے اور احتساب کرتا ہے لیکن اپنی ذمہ داری بھی نبھاتا ہے۔

سوک ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ تعلیم میں تیز رفتار ترقی کے لیے شعبے، طریقہ کار، رجحان، تحقیق اور مشینری متعارف کرائی جا رہی ہے۔ مختلف ممالک کے قابل افراد سے کام لینا بھی ترقی کا اہم ذریعہ ہے جس کے لیے دیگر ممالک سے اچھے تعلقات قائم رہنے چاہیں۔ وہ ہی جاپان کس نے پوری دنیا سے ٹکر لے رکھی تھی اور جن ممالک نے جاپان کو نا بھرنے والے زخم دیے تھے، جاپان نے ان ہی ممالک سے رابطے بڑھائے اور ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر مل کر کام کرنے کی جانب بڑھا۔

یہ ہی نہیں بلکہ میڈیا پر پابندی عائد کی کہ نسل پرستی کے حوالے سے بات نہیں کی جائے گی تاکہ تعصب کی فضا کو کم کیا جائے اور ترقی کی جانب قدم بڑھائے جائیں۔

جاپان میں سچ بولنا، کسی کا حق نہ مارنا، اخلاقی قدروں کی پاسداری، قانون کا احترام کرنا اور دوسروں سے قانون کی پاسداری کروانا وقت کی پابندی فرائض تصور کئے جاتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ معیار انکی قوم کی ہی نہیں بلکہ انکی مصنوعات کی بھی پہچان بن چکا ہے۔

مصنفہ انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام ممبر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

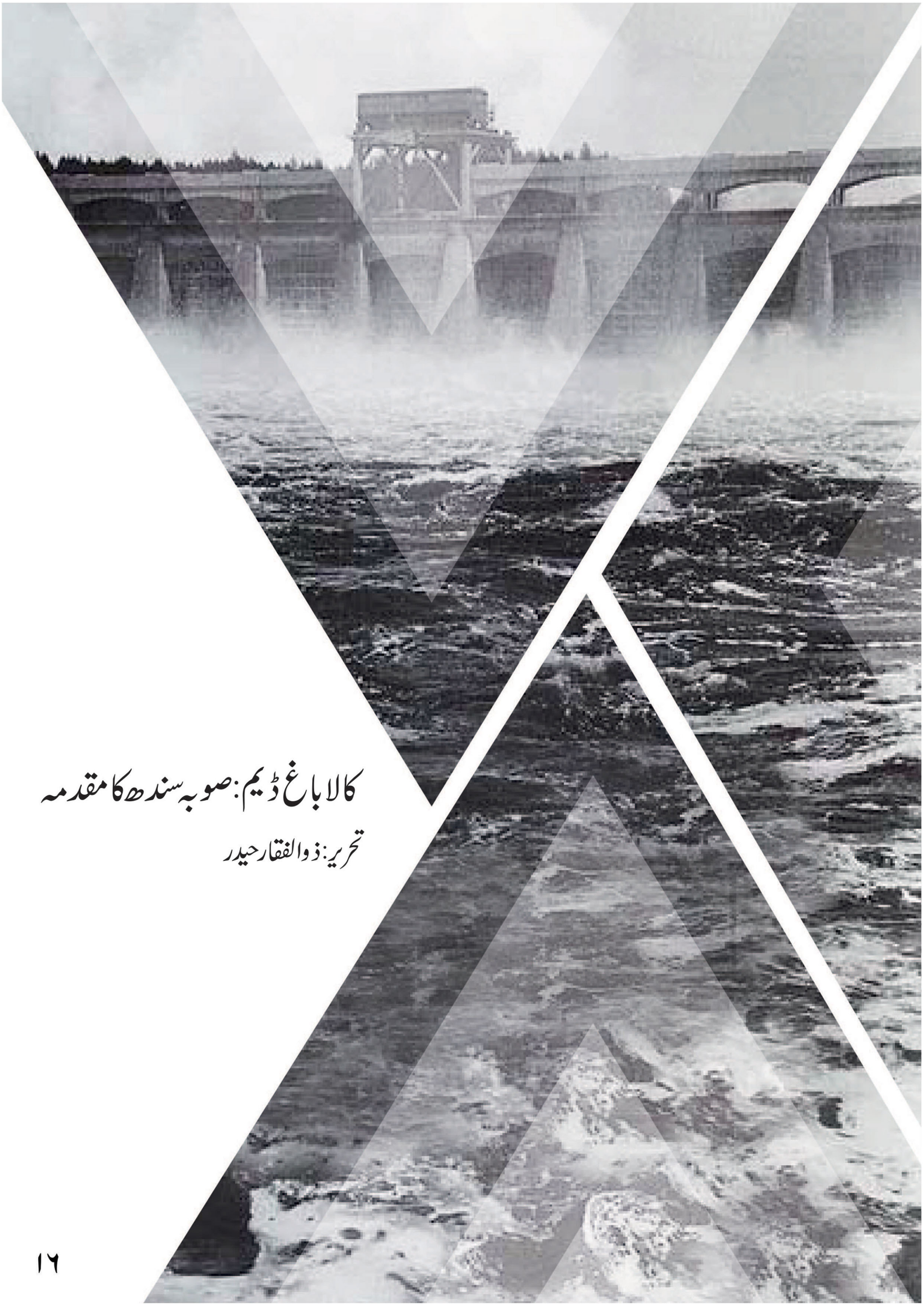

کالا باغ ڈیم: صوبہ سندھ کا مقدمہ

تحریر: ذوالفقار حیدر

مُلک میں کسی اور موضوع پر بات ہونا ہو ڈیمز کی تعمیر کے معاملے پر مُلک کے طول وعرض میں بحث جاری ہے۔ اور کیوں نا ہو، یہ موضوع ہے ہی اتنا اہم ہے۔ صرف زراعت ہی نہیں، پورے ملک کی بقاء پانی پر منحصر ہے۔ اپنی 71 سالہ تاریخ میں ہم نے سوائے منگلا اور تربیلا کے کوئی بڑا ڈیم نہیں بنایا۔ دریائے سندھ جو کہ تبت سے شروع ہوتا ہے اور پورے پاکستان سے ہوتے ہوئے صوبہ سندھ کو سیراب کرنے کے بعد سمندر میں گرتا ہے، پورے ملک کیلئے سب سے اہم آبی اثاثہ ہے۔ اس کی اہمیت صوبہ سندھ کے لئے اسلئے بھی زیادہ ہے کہ یہ اس دریا کی آخری منزل ہے جسے تکنیکی اعتبار سے لوئر ریپیرین ایریا یا نچلی ساحلی پٹی کا علاقہ بھی کہا جاسکتا ہے اسی بنیاد پر اور بین الاقوامی قانون کے تحت اس دریا کو دریائے سندھ کہا جاتا ہے حالانکہ اسے کوئی بھی نام دیا جاسکتا تھا۔ یہی نہیں بین الاقوامی قوانین لوئر ریپیرین علاقوں کا دریا پر سب سے زیادہ حق کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور اگر تاریخی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو انڈس سولائزیشن یا دریائے سندھ کی تہذیت کا دریائے سندھ سے بہت گہرا تعلق رہا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ یہ دریا اس علاقے کیلئے زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے۔

اب اگر کھُل کر بات کی جائے تو سوال یہ اُٹھتا ہے کہ کالا باغ ڈیم جو دریائے سندھ پر تعمیر ہونا تھا آخر اتنا متنازع کیوں ہوا؟ یقیناً اس موضوع پر بہت ساری بحث ہو چکی ہے، اور اس آرٹیکل کا مقصد بھی اس بحث کو سمیٹ کر اپنے قارئین کے سامنے اُن وجوہات کو پیش کرنا ہے جن کی وجہ سے یہ ڈیم متنازع ہوا اور سندھ کے علاوہ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ نے بھی اس کی مخالفت کی۔ ہم ہرگز اُن تکنیکی وجوہات پر بحث نہیں کریں گے جو اس ڈیم کی تعمیر کے حق یا مخالفت میں پیش کی جاتی رہی ہیں، ہمارا مقصد صوبہ سندھ کا وہ موقف سامنے لانا ہے جس کی بناء پر اس ڈیم کی تعمیر کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے صوبہ سندھ سے تعلق رکھنے والی معروف اور آئینی معاملات میں مہارت رکھنے والی شخصیت جناب جامی چانڈیو کے سوشل میڈیا پر شائع ہونے والے ایک انٹرویو سے رہنمائی حاصل کی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ آخر سندھ اس ڈیم کی اتنی مخالفت کیوں کرتا ہے۔ جامی چانڈیو سے کی گئی گفتگو کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے:

''پاکستان میں پانی اور ڈیمز کی تعمیر کا معاملہ نیا نہیں ہے۔ اس پر مختلف ادوار میں بحث کی جاتی رہی ہے۔ دریا کے پانی پر سب سے زیادہ حق ٹیل اینڈ یا لوئر ریپیرئن علاقے کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ پانی کی تقسیم کو لے کر بہت سی تحقیق کی جاچکی ہے اور بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جن میں جناب رسول بخش پلیجو اور جناب عبدالوہاب کی کتابیں سرِفہرست ہیں۔ سندھ طاس معاہدے اور منگلا اور تربیلا کی تعمیر کے بعد سندھ کے ساتھ بہت سے وعدے کئے گئے مگر کسی ایک پر بھی عمل نہیں ہوا۔ پنجاب نے سندھ طاس معاہدے میں اپنے تین دریا بیچ دیے۔ سندھ کے لوگ بھی ان دریاوں میں حصے دار تھے۔ تربیلا کی تعمیر کے وقت یہ وعدہ کیا گیا کہ سندھ کو ایک ملین ایکڑ فیٹ اضافی پانی دیا جائے گا کیونکہ اس ڈیم کی تعمیر سے سندھ کے پانی میں کمی واقع ہوگی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ جب بھٹو صاحب کے زمانے میں تونسہ پنجند اور چشمہ جہلم نہریں بنائی گئیں تو یہ بات ہوئی کہ ان نہروں میں صرف سیلابی یا اضافی پانی ڈالا جائے گا مگر آج تک یہ نہریں سارا سال بہتی ہیں جس سے سندھ کے پانی میں مزید کمی واقع ہوئی۔ مشرف کے زمانے میں تھل کینال کی تعمیر شروع کی گئی اور سندھ سے اس کا پی سی ون بھی شیئر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اِس نہر کی تعمیر بھی بدنیتی پر مبنی تھی۔ کیا ملک کا کوئی قانون یا دستاویز یہ بتا سکتا ہے کہ سندھ کے حصے کا ایک ملین ایکڑ فیٹ پانی کہاں ہے اور جو نہریں صرف سیلابی پانی کیلئے بنائی گئیں تھیں وہ سارا سال کیوں بہتی ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ سندھ کی قابل کاشت زمین میں کمی اور پنجاب کی قابل کاشت زمین میں اضافہ کیوں ہوا؟ 1991 کے معاہدے میں کیے گئے وعدوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد ارسا ءنامی

ادارہ بنایا گیا تاکہ پانی کی منصفانہ تقسیم کی جاسکے مگر آج تک یہ ادارہ پانی کی منصفانہ تقسیم نہیں کرسکا۔ دنیا بھر میں ماحولیاتی اصولوں کے مطابق جن علاقوں میں

دریا سمندر سے ملتے وہاں میٹھے پانی کی ایک خاص مقدار کا سمندر میں گرنا ضروری ہے ورنہ سمندر آگے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور زمین سمندر بُرد ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ آئی یو سی این کے مطابق تقریباً 27 ملین ایکڑ فیٹ پانی سمندر میں جانا ضروری ہے جب کہ 1991 کے معاہدے کے بعد سے آج تک کبھی 10 ملین ایکڑ فیٹ پانی بھی سمندر میں نہیں گیا۔ اس سے وجہ سے ٹھٹہ اور بدین کی لاکھوں ایکڑ قیمتی زمین سمندر نے برباد کر دی ہے۔ سندھ کی ساحلی پٹی پر موجود مینگرو وجنگلات جو سمندر کے نمکین پانی کو آگے آنے سے روکتے ہیں اور مچھلیوں اور جھینگوں کی افزائش کیلئے نہایت اہم سمجھے جاتے ہیں 6 لاکھ ایکڑ سے کم ہو کر صرف 1 لاکھ ایکڑ تک محدود ہو گئے ہیں۔ اگر آئینی طور پر دیکھا جائے تو نئے ڈیموں کی تعمیر اور صوبے کے درمیان وسائل کی تقسیم پر بات کرنے کا واحد پلیٹ فارم کونسل برائے مشترکہ مفادات ہے۔ اس مسئلے پر کوئی بھی شخص یا ادارہ یکطرفہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ پاکستان ایک وفاقی ملک ہے اور وفاق اور صوبوں میں مسائل ہر جگہ ہوتے ہیں، مگر اُنہیں مل بیٹھ کر حل کیا جاتا ہے اور فیصلے مسلط نہیں کیے جاتے۔ آبی وسائل کو لے کر سندھ کا مسئلہ بالکل ایسا ہی ہے جو پاکستان بھارت کے خلاف بین الاقوامی عدالت برائے انصاف میں لے کر گیا ہے اور پاکستان بھی وہی دلائل پیش کر رہا ہے جو سندھ پیش کرتا ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم نے آج تک پانی کی منصفانہ تقسیم کے معاملے پر کبھی غور کیا یا کبھی اُس پانی پر بات کی جو ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔ وہ پانی ضائع نہیں ہوتا جو سمندر میں گرتا ہے، ایک حد تک ایسا ہونا ضروری ہے۔ وہ پانی ضائع ہوتا ہے جو ترسیل کے دوران یا پکی نہریں نا ہونے کی وجہ سے سیپج کا شکار ہو جاتا ہے۔ نئی ٹیکنالوجی کے پیش نظر وہ پانی ضائع ہوتا ہے جو آبپاشی کے صدیوں پرانے طریقوں جیسا کہ فلڈ اریگیشن یا اگر غور کیا جائے تو یہ پانی ڈیمز میں سٹور کیے جانے والے پانی سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر ایک ڈیم کی تعمیر سے ملک میں انتشار کا خطرہ ہو تو ایسے ڈیم کی تعمیر نا ہونا ہی بہتر ہے۔''

مصنف انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

نوجوانوں میں سیاسی شعور کی بیداری

تحریر: انعم باسط

سیاست صرف سیاسی جماعتوں اور سیاسی راہنماؤں کے داؤ پیچ کا نام نہیں بلکہ ملک کے حکومتی نظام کو چلانے کا پُرزہ ہے جس کو ہر شہری کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خاص کر ۶۴ فیصد نوجوان نسل کو جنہوں نے ملک کا بیڑا اُٹھانا ہے۔ اگر سیاسی شعور بیدار نہیں کیا جائے گا تو ہم صرف شکایات اور سوال ہی کرتے رہ جائیں گے جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے۔ ایک باشعور اور تمام سیاسی و ملکی حالات سے آگاہ نوجوان ہی سیاست میں اپنے کردار اور قومی فرائض کو سمجھ سکتا ہے۔ سیاست کی افہام و تفہیم اس لیے ضروری ہے کہ ہم سیاسی اُمور سے آگاہ رہنے کے ساتھ ساتھ بطورِ شہری اپنی ذمہ داریوں اور ملکی مفاد میں کام کرنے کے طریقہ کار کو سمجھ کر فروغ دے سکیں۔

سیاسی شعور کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی تک ہمیں ووٹ کی اہمیت اُجاگر کرنے کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ علاقے کی سطح سے لے کر ملکی نظام تک کس محکمے اور اِدارے کا کیا کام ہے؟ ہم ملکی ترقی میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ علاقے کے ترقیاتی کاموں میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہیے؟ یہاں تک کہ حکومتی نمائندوں سے کیسے کام کروانا ہے اِس کا ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا۔ آخر میں ہمارے پاس صرف ایک تنقیدی نظریہ بچتا ہے یا پھر جب اپنا کام آسانی سے نکلوانے کی بات آئے تو سفارشات یا رشوت کا سہارا لے لیتے ہیں۔ کیا ہمارے پاس کوئی طریقہ کار موجود ہیں جن کے ذریعے ہم منتخب کردہ سیاسی نمائندگان تک رسائی اور اپنی آواز پہنچانے کو آسان بنا سکیں۔

جیسا کہ اعوانِ بالا میں تمام طبقات کے شہریوں کی نمائندگی کرنیوالے سیاسی عہدیداران تو موجود ہیں پر عوام کی آواز پھر بھی دب سی جاتی ہے۔ حال ہی میں تھر سے کرشنا کماری کو منتخب کیا گیا۔ کیا تھر کے لوگ اُن تک اپنی بات پہنچا پاتے ہیں؟ کیا طریقہ کار ہے جس کے ذریعے لوگ اپنی بات اور ضروریات کی نشاندہی کروا سکیں؟ مقامی سطح پر مثال اُٹھا کر دیکھ لیں اگر گلی میں کوڑا کرکٹ کا ڈھیر لگا ہے تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ گھر بیٹھے علاقے کے ناظم کو بدعملی کے لیے قصور وار ٹھہرانے سے کام نہیں بنے گا بلکہ ہمیں یہ پتہ ہونا چاہیئے کہ کونسلر کی مدد سے اپنی بات آگے پہنچانی ہے، یا کونسا متعلقہ اِدارہ صفائی کا نظام دیکھ رہا ہے؟ اسکے ساتھ ساتھ ہمیں خود بھی صفائی کو لے کر شہری ذمہ داری پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر سیاسی رہنماؤں کو منتخب کرنے کی بات کی جائے تو زیادہ تر لوگ خاندانی یا نسلی جوڑ کی بناء پر اپنے رہنما منتخب کر لیا کرتے تھے۔ پھر شعور آیا تو بہتری آئی کہ پُر اثر شخصیات نے جن کا ساتھ دیا، جن کی تشہیر کے طریقہ کار بہتر ہوئے اور ملکی عزائم کو ابھار کر دکھایا تو عوام اُن کی ہوگئی۔ پر شہریوں میں اب بھی وسیع سوچ کی کمی ہے کہ ہم ملکی مفاد پر بات کرنے والے اور کام کرنے والے کو پَرکھ سکیں۔ سیاست پر ہم سب بات کر لیتے ہیں پر ایک اہم اور بنیادی دستاویز 'سیاسی پارٹی کے منشور' کو بہت کم لوگ پڑھتے یا جانتے ہیں۔ اگر ہم صحیح تجزیہ کرنے کے قابل بننا چاہتے ہیں تو جلسہ عام میں کیے گئے وعدے اور جس منشور کی بنیاد پر پارٹی بنائی گئی اِن سب کی معلومات ہونا لازمی ہے، تبھی اپنے سیاسی رہنماؤں کا احتساب کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیوں اور تمام لوگوں کے مسائل اور ضروریات حکومت تک اجاگر کرنے کے لیے سب حصہ داروں کو آپس میں منسلک ہونا اور لوگوں کو اِن کا علم ہونا بہت اہمیت کا حامل ہے تبھی تو لوگ سیاست دان سے نکل کر لیڈر ہونے کا تعین کر سکیں گے۔

دوسری جانب ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ حکومتی سطح پر ایسے کئی اقدامات لیے جا رہے ہیں جس سے طرزِ حکمرانی میں بہتری اور شفافیت آسکے پر اُن طریقہ کار کو جاننے، سمجھنے اور استعمال کرنے والوں کی تعداد اَب بھی بہت کم ہے کیونکہ شہریوں میں اپنی انفرادی ذمہ داری کی اہمیت سمجھنے، تکنیکی آلات کو استعمال کرتے

ہوئے حکومت کی طرف سے دی گئی سہولیات کو استعمال کرنے کا علم بہت کم ہے۔ اِس معلومات اور علم کو تمام علاقوں اور ہر طبقات کے شہری تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت مختلف اہم اِداروں کے ساتھ جُڑ کر تشہیر کرتی رہے جو صرف ایک خاص طبقے تک محدود نہ ہو۔

شعور کی بات ہو رہی ہو تو تعلیم کی اہمیت کو ہم پسِ پشت نہیں ڈال سکتے۔ اِس لئے سیاسی شعور اُجاگر کرنے کے لیے تعلیمی نظام میں بھی بہتری لانے کی ضرورت ہے خاص کر کہ پڑھائے جانے والے انسانی اور سماجی علوم جن کا تعلق سیاست اور سماجی ذمہ داریوں سے ہے۔ متعلقہ مضامین میں حالیہ سیاسی صورتحال اور اِداروں کے عوامل کو شامل کیا جائے جو انہیں ایک موجودہ عملی نظام میں کام کرنے کے لیے تیار کر سکیں نہ کہ وہ صرف کتابی نظریات تک محدود ہو کر رہ جائیں۔ تاریخ اور نظریات پڑھنے کے ساتھ ساتھ موجودہ قومی اور بین الاقوامی سیاسی حالات کو سمجھنے کے لیے طلباء میں موازنہ اور مشاہدہ کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کی جائے جس کے لیے اِن سے پیچیدہ تجزیات کی مشقیں برملا کروائی جائیں تا کہ وہ موجودہ سیاسی حالات کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے سمجھ سکیں۔ اُن کو مواقع فراہم کیے جائیں تا کہ طلباء سیاسی حکمتِ عملی کو قریب سے جان سکیں۔ اِس کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ سِندھ کے ایوانِ بالا میں نوجوان طلباء کو 'کلرکس آف پارلیمنٹ' کے تحت کام کرنے کا موقع دیا گیا۔ قانون سازی کرنے کے لیے بھی کافی تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، اِس کے لیے یہ کیا جا سکتا ہے کہ پارلیمان کی تحقیقی حصہ میں طلباء سے تحقیقی کام کروایا جائے۔ اِس سے نہ صرف نوجوانوں میں سیاسی احکام کو لے کر معلومات میں اضافہ ہو گا بلکہ حکومتی اُمور میں سہولت بھی ملے گی۔ اِس کے ساتھ ساتھ مختلف تعلیمی اِداروں میں ایک باہم تعلق اور نیٹ ورک بنانے کی بھی ضرورت ہے جس سے طلباء کو دوسرے تعلیمی اِداروں میں کی گئی ریسرچ اور تھنک ٹینکس سے بھی متعارف کرایا جائے گا تا کہ ان کو سیاسی علوم کو پرکھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

سب سے بڑھ کر انفرادی طور پر اپنی شہری ذمہ داری کو سمجھنے اور نبھانے کی ضرورت ہے۔ وہ مواقع پیدا کرنے کی ضرورت ہے جن سے ہماری نوجوان نسل کو اپنی ذمہ داری اور سیاسی نظام کو سمجھنے کا شعور پیدا ہو۔ اِس کے لیے سماجی آگاہی پر کام کرنے والے اِدارے تعلیمی اِداروں کے ساتھ مل کر اِس مہم میں ایک نمایاں کامیابی پا سکتے ہیں۔

مصنفہ انڈویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

نئی حکومت، نئی قوانین سازی

تحریر: حور کاکڑ

۲۰۰۰ء کی دہائی میں آمریت کے طویل دور کے بعد پاکستان نے ۲۰۱۸ میں تیسری جمہوری حکومت کا مسلسل انتخاب کیا۔ اور نئے وزیراعظم کی پہلی تقریر نے یقینی طور پر لوگوں میں امید جگائی کہ آنے والے ۵ سالوں میں حکومت عمدہ اقدامات کرے گی۔ منصوبہ بندی میں حکومتی کارروائیوں کو آگے بڑھانے کی تدابیر میں موجودہ اداروں اور دیگر بنیادی ساخت کی مکمل بحالی شامل ہے۔ لیکن کیا اس نئی منتخب کردہ حکومت نے یہ تقریر کر کے کچھ نیا کیا ہے؟ یہاں ایک نہیں بلکہ کئی سوال اٹھتے ہیں۔۔۔۔۔

کیا اس سے پچھلی حکومتوں کے نمائندگان نے ایسی تقاریر اور وعدے نہیں کئے تھے جن سے لوگوں کے دلوں میں امیدیں جاگ اٹھیں ہوں؟

کیا انہوں نے عوام سے کیے گئے وعدوں کو نہیں پورا کیا؟

اگر نہیں، تو احتساب کا طریقہ کار کیا تھا؟

اگر پچھلے ۵ سالوں کے دوران احتساب کا طریقہ کار دیکھا جائے تو وہ کسی احتسابی ادارے میں کم اور سوشل میڈیا پر زیادہ دکھایا جاتا ہے۔ حکومت نے کوئی قدم اٹھانے کا سوچتی ہی ہے اور سوشل میڈیا پر سوالات کا طوفان کھڑا ہو جاتا۔ اگر احتسابی عمل کو اسی طرح جاری رکھا تو قانون سازی کو بااثر طور پر عمل درآمد کرنا مشکل ہی رہے گا۔ کسی بھی ایجنڈا پر مئوثر طور پر عمل درآمد کرنے کے لئے قانون سازی کا موجود ہونا اہم ہے کیونکہ اگر قانون موجود نہ ہو تو مسائل کا حل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ قانون سازی موجود ہو تو ایجنڈا کا حصول یقینی طور پر آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا قانون سازی معاشرے میں ہر چھوٹے یا بڑے مسئلے کے حل کے لئے ضروری ہے کیونکہ قوانین معاشرے کے اقدار اور معمول کی بناء پر بنائے جاتے ہیں اور وہ اسی اقدار و معمول کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ قوانین کی عدم موجودگی میں ادارے قلیل مدت پر مشتمل اصولوں کے مطابق مسئلے کا حل نکالتے ہیں، جو کہ بڑے یا چھوٹے مسائل کا عارضی حل ہی ہوتا ہے۔

چلیں پچھلی حکومتوں کے منظور کردہ قوانین کا جائزہ لیتے ہیں۔۔۔۔

۹ سال پاکستان ایک آمر کی حکمرانی کے تحت رہا اور باوجود یہ کہ آمریت کے دوران آئین منسوخ ہو جاتا ہے، ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۸ء کے دوران پاکستان میں آئین کے مطابق ترامیم اور قوانین منظور ہوئے۔ اس میں ستر ہویں ترمیم؛ جو کہ صدر اور گورنر کے اختیارات کو بڑھا دیتا ہے، اور میڈیا کی نجکاری؛ جو کہ اظہار رائے کی آزادی کو یقینی بناتا ہے شامل ہیں۔ اس دور کے بعد دونوں جمہوری حکومتوں سے یہ توقع منسلک تھی کہ وہ اپنے ادوار میں شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے قوانین سازی کریں گی۔ ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۳ء کے جمہوری دور میں ہم نے خواتین کے تحفظ، اقتصادی ترقی، ہنگامی حالات کے انتظام، غرباء کی سماجی تحفظ وغیرہ کے حوالے سے اہم قوانین کی ایک لہر دیکھی۔ اس کے بعد ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۸ء کے جمہوری دور میں حکومت نے اہم شعبوں کے حوالے سے کل ۱۹۴ قوانین کو صوبائی اور قومی سطح پر منظور کیا۔ ان میں سے ۸۲ قوانین تعلیم کے حوالے سے ہیں، ۴۲ صحت کے حوالے سے، اور ۳۵ روزگار کے حوالے سے ہیں۔ اس کے علاوہ، معاشرے میں ہر فرد کو، نسل کو، جنس یا مذہب کے بناء پر امتیاز کے بغیر برابر سہولت فراہم کرنے اور سب کی شمولیت کو یقینی بنانے کے حوالے سے بھی قوانین منظور کیے گئے؛ جس میں ۱۵ قوانین خواتین کے حقوق کو اجاگر کرتے ہیں، ۱۲ قوانین بچوں کے حقوق کے حوالے سے ہیں، ۴ قوانین مذہب کی بناء پر اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے ہیں اور ۴ قوانین جسمانی طور پر معذور افراد کو سہولت اور حقوق فراہم کرنے کے حوالے سے ہیں۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے دو دہائی میں بہت سے قوانین منظور کئے گئے۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا نئی حکومت ان میں بہتری کی گنجائش کو مدنظر رکھ کر ان میں ضروری ترامیم اور ان پر بااثر طور پر عمل درآمد کرے گی۔ پچھلی حکومتوں میں وسیع پیمانے پر قوانین سازی کی گئی اور ان قوانین کو کافی حد تک کامیابی کے ساتھ لاگو کیا گیا۔ اس لحاظ سے آئندہ ۵ سالوں میں نئی منتخب حکومت سے یہ توقع ہے کہ وہ موجودہ قوانین کو بہتر بنائے اور جس شعبے کے

حوالے سے قوانین موجود نہیں اس حوالے سے قوانین سازی کو فوقیت دے۔ان کی منصوبہ بندی میں وفاقی نوعیت اور قومی سلامتی کے ساتھ ساتھ طرز حکمرانی میں تبدیلی، معاشی ترقی کو فروغ دینا، سماجی خدمات اور زراعت کے شعبوں میں اصلاحات شامل ہے۔

سب سے پہلے تو نئی حکومت کو تمام ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکیٹرز پر توجہ دینا ضروری ہے؛ موجودہ قوانین میں کیا خلاء ہے اور ان میں کیا ترامیم کرنے کی ضرورت ہے۔اور اگر کسی بھی انڈیکیٹر کے حوالے سے قانون موجود نہیں تو اس کے لئے قانون سازی کن بنیادوں پر کرنا ضروری ہے۔اگر ہم نظر دوڑائیں کہ پچھلی حکومتوں کی مدت کے اختتام پر پاکستان ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس پر کس نمبر پر تھا تو ۲۰۱۳ء میں پاکستان ۱۸۷ ممالک میں ۱۴۶ نمبر پر تھا اور ۲۰۱۷ء میں ۱۸۸ ممالک میں ۱۴۷ نمبر پر تھا۔یعنی بین الاقوامی ہیومن ڈیویلپمنٹ انڈکس پر پاکستان نے کوئی بہتری نہیں دکھائی۔ان انڈیکیٹرز میں صحت، تعلیم، ملازمت اور صنفی مساوات شامل ہیں۔ایک ایک انڈیکیٹر کے لحاظ سے اندازہ لگائیں کہ نئی حکومت ان کو بہتر کرنے کے لیے کس طرح کی قوانین سازی کر سکتی ہے۔

صحت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نئی حکومت نے اپنے پچھلے صوبائی دور (۲۰۱۳ تا ۲۰۱۸) میں خیبر پختونخواہ میں صحت کے شعبے میں ایک جدید اور موثر پروگرام پر عمل درآمد کیا گیا جس کی کامیابی کا جائزہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس پروگرام سے خیبر پختونخواہ میں تقریباً ۶۹۰۰۰ مریض مستفید ہوئے۔ حکومت کا اگلا قدم اس پروگرام کو پاکستان کے تمام صوبوں میں لاگو کرنا ہے؛ اس لحاظ سے حکومت صحت کو فوقیت دے رہی ہے اور اس کو بہتر بنانے کے لئے ٹھوس اقدامات اٹھا رہی ہے۔صحت کے بعد، حکومت کو تعلیم اور ملازمت کو فوقیت دینا ضروری ہے۔پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۲۵ (اے) کے مطابق یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ پرائمری تا سیکنڈری تک ہر بچے کے لئے مفت تعلیم فراہم کرے۔یعنی نئی حکومت کو تعلیمی شعبے کے معیار کو بہتر بنانے کے ساتھ

ساتھ ہر بچے کے لئے اس کی رسائی کو بہتر بنانا ہوگا۔ اس کے لئے جو موجودہ قوانین ہیں ان میں جہاں ترامیم کی ضرورت پڑے، وہاں ترامیم کر کے مکمل طور پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔ ہمارے اردگرد لوگ مہارت اور ہنر تو رکھتے ہیں لیکن یہ پھر بھی بے روزگاری کا شکار ہیں۔ حکومت کو تعلیم کے ساتھ لوگوں کو ہر شعبے میں ملازمت کے مواقع فراہم کرنے کے لئے قانون سازی کرنا پڑے گی۔

ان تینوں انڈیکیٹرز کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت کو صنفی مساوات کے حوالے سے ٹھوس اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ آج پاکستان گلوبل جینڈر انڈیکس میں ۱۴۴ ممالک میں ۱۴۳ نمبر پر ہے۔ اگر پچھلے حکومتوں کے منظور کردہ قوانین کو جانچا جائے تو انہوں نے صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لئے ممتاز قوانین منظور کئے ہیں جن میں ۲۰۱۱ء میں مخنث کو قومی شناختی کارڈ جاری کرنے اور ان کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا ۲۰۱۳ء کے عام انتخابات کے برعکس ۲۰۱۸ء میں ان کو ووٹ ڈالنے کی سہولت دی گئی۔ یہ تو ایک مثال ہے، مزید کئی مثالیں ہیں جن میں خواتین اور مخنث کے حقوق کے حوالے سے بہتر قوانین منظور کئے گئے ہیں۔ لیکن اب اس نئی حکومت کے ذمہ داری ہے کہ موجودہ قوانین کو مضبوط بنائے اور ان پر موثر طور پر عمل درآمد کریں۔

مصنفہ انڈویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

سویڈن ایک ترقی یافتہ ملک

تحریر: ریحان علی

میں آپکے سامنے ایک ایسے ملک کے حقائق رکھنے جا رہا ہوں جس کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ ہے اور رقبے کے اعتبار سے 450,295 مربع کلومیٹر ہے ۔اس ملک کے بارے میں کہا جاتا ہے کے دوسرے ممالک کو اس ملک کی پالیسیوں پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ ملک اپنی معیشت، ہیومن ڈویلپمنٹ، تعلیم اور برابر آمدنی کی تقسیم کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ میں بات کر رہا ہوں سویڈن کی جو شمالی یورپ میں واقع ہے اور اس کی سرحدیں شمال اور مغرب کی طرف ناروے سے ملتی ہیں اور مشرق سے فن لینڈ کے ساتھ اسکی سرحدیں ملتی ہیں۔ سویڈن کا فلاحی ریاست ہونا ہی صرف اس کو دنیا سے الگ نہیں کرتا بلکہ اس کی پیشہ ورانہ اخلاقیات، شہری شمولیت اور خاندانی اقدار بھی سویڈن کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سویڈن کی کامیابی میں اور بھی بہت سے عوامل شامل ہیں مثلاً تعلیم اور صنعت۔

اگر ہم تعلیم کی بات کریں تو سویڈن نے الیمنٹری سکول سسٹم کا آغاز ۱۸۴۲ میں کروایا تھا اور پہلی یونیورسٹی ۱۴۷۷ اپسلا میں قائم کی گئی تھی۔ ریاست کی طرف سے سویڈن اور یورپی یونین کے ممالک کے رہائشیوں کے لیے کالج ٹریننگ فراہم کرنے سے سویڈن میں خواتین اور مرد کے لیے اعلی تعلیمی معیار کو یقینی بنایا ہے۔ سویڈن کے سکولوں میں تخلیقی صلاحیتوں کو کافی فروغ دیا جاتا ہے اور فن کو ہمیشہ بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ سویڈن میں تعلیم کا معیار ایسا ہے کے ہر بچے کو تعلیم حاصل کرنے میں ایک جیسے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں اور کسی کو امتیازی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جاتا۔

دوسرا عنصر جو سویڈن کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتا ہے وہ ہے صنعت کا شعبہ۔ سٹیل، جنگلات، انجینیر نگ کے شعبوں میں کامیاب کمپنیوں نے سویڈن کی اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ادویات کی صنعت نے بھی سویڈن کی معیشت کو بہتر بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگر ہم ۲۰۱۲ء میں جائیں تو سویڈن کی فی شخص برآمد چین اور امریکہ کی مشترکہ فی شخص برآمد سے زیادہ تھی۔

اگر ہم تجارت کی بات کریں تو سویڈن دنیا پر بہت انحصار کرتا ہے۔ سویڈن فری ٹریڈ میں یقین کرنے والا ملک ہے جہاں پر قوانین اور سیاست نے بین الاقوامی اثر ورسوخ کے لیے کھلی حوصلہ افضائی کی ہے۔ برآمدات اور درآمدات سویڈن کی فلاح و بہبود کے لیے بہت اہم ہیں۔ جب ہم معیشت اور سیاست پر بات کرتے ہیں تو سویڈن دوسرے یورپین ممالک کے مقابلے میں سرکاری مالیات کے حوالے سے زیادہ مضبوط ہے اور تحقیق اور ترقی کے سب سے بڑے سرمایا کاروں میں سے ایک ہے۔

جمہوریت بھی سویڈن کی کامیابی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سویڈن کے لوگ تعاون، صنفی مساوات اور تنوع میں بہت یقین رکھتے ہیں۔ یہ شائد اس لیے کہ یہ ملک دنیا میں بہت پرانا اور پرامن جمہوری ملک ہے۔ سویڈن میں ایک پارلیمانی نظام موجود ہے، اظہار رائے کی آزادی کے بارے میں آئین میں لکھا ہوا ہے اور عوام کو سرکاری دستاویزات تک رسائی فراہم کرنے پر کافی توجہ دی جاتی ہے تا کہ عوام کو معلوم ہو کے حکمران صحیح طریقے سے کام کر رہے ہیں یا نہیں۔

چونکہ سویڈن جغرافیائی طور پر ایک بڑا ملک ہے اس لیے انفراسٹرکچر اور مواصلات کا اس کی ترقی میں ایک اہم کردار ہے۔ ڈیجیٹلائزیشن کو فروغ دینے سے یہ معلوم ہوا ہے کے سویڈن دنیا کے سب سے زیادہ منسلک ممالک میں سے ایک ہے اور جہاں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل کی رسائی کی شرح زیادہ ہے۔ اس کے

نتیجے میں یہ ملک نئی ٹیکنالوجی کے لیے ٹیسٹ مارکیٹ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

سویڈن اقتصادی استحکام، حفاظت اور سیکورٹی سے اور اظہارِ رائے کی آزادی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جن معاشروں میں تخلیقی صلاحیتوں اور تجربے پر توجہ دی جاتی ہے وہاں لوگوں کو آگے بڑھنے کا اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ سویڈن دنیا کا چھٹا بہترین ملک اور دنیا کا ۲۰واں طاقتور ملک قرار دیا گیا ہے۔ ۲۰۱۶ میں سویڈن کی معیشت ۴۔۲ فیصد بڑھی، ۲۰۱۷ میں سویڈن کی معیشت ۸۔۲ فیصد بڑھی اور اس سال ۲۰۱۸ میں سویڈن کی معیشت مزید بڑھی ہے اور اس کی وجہ سے سویڈن اسکینڈینیویا کے ممالک میں ترقی اور معیشت کے حوالے سے سب سے آگے ہے۔

پاکستان اور سویڈن کا موازنہ کیا جائے تو پاکستان اور سویڈن کے مسائل مختلف ہیں لیکن اگر پاکستان کی موجودہ حکومت پاکستان کو ترقی یافتہ ملک بنانا چاہتی ہے اور سویڈن کی ترقی کا ماڈل پر عمل کرنا چاہتی ہے تو اس کو تعلیم، صنعت، انجینئرنگ اور صحت کے شعبوں میں بہتری لانا ہوگی۔

مصنف انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

ٹیکس کی ادائیگی سہولیات کی فراوانی

تحریر: سندس سیدہ

پاکستان کی ترقی کے حوالے سے بہت سارے تجزیہ نگار تحقیق اور علم کی روشنی میں بہتری کی تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں۔لیکن ایک عام شہری پاکستان کی ترقی کے بارے میں کیا سوچتا ہے؟ میں ایک ایسی شہری ہوں جو ملک کی معیشت کی گاڑی میں پٹرول ڈالنے میں بھی کردار ادا کر رہی ہوں، میرے نزدیک اگر ہم اپنی عادات بدل لیں تو ملک ترقی کی منازل طے کرسکتا ہے۔شاید آپ میری بات سے اتفاق نہ کریں لیکن میرے نزدیک ملک کی ترقی میں سب سے اہم کردار "فرد" کا ہے، ہر فرد کی سوچ، ایمانداری، ملک سے وفا، ذمہ داری، فرائض کی ادائیگی وہ امور ہیں جن کی بدولت ملک ترقی کرسکتا ہے۔

اگر آپ پاکستان کو ترقی کرتا دیکھنا چاہتے ہیں تو خود سے شروعات کریں اور اپنے رویے بہتر کریں۔رویے بہتر کرنے میں روزمرہ لوگوں سے میل جول اور بات چیت کے علاوہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے حوالے سے رویوں میں تبدیلی لانا نہایت ضروری ہے۔فرائض کی ادائیگی کی مثال کی بات کروں تو ہم میں سے کتنے شہری ایسے ہیں جو انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں؟ جو لوگ ٹیکس کے دائرے میں آتے ہیں کیا انکا اپنا کوئی اہم کردار ہے یا پھر وہ جن اداروں کے ساتھ کام کر رہے ہیں انکی وجہ سے انکو ٹیکس کٹوانا پڑتا ہے یا یہ کہوں کہ ٹیکس کٹ جاتا ہے؟ کیا جو ٹیکس کے دائرے میں نہیں آتے ان سے بھی ٹیکس لیا جا رہا ہے؟ اگر ہاں تو کیسے؟ کیا ہم فیڈرل بورڈ آف ریونیو سے رجسٹرڈ ہیں، یا ہم نے گوشوارے (ٹیکس رٹرن فائل کرنا) جمع کروا رکھے ہیں؟ کیا ٹیکس ادا نہ کرنے والوں کا خسارہ پورا کرنے کے لیے بھی ٹیکس لیا جا رہا ہے؟ اگر ہاں تو کیسے؟ کتنے لوگ ہیں جن کے پاس گاڑیاں اور گھر ہیں مگر کیا وہ ٹیکس گوشوارے جمع کرواتے ہیں؟ ہم چندہ دیں گے خیرات دیں گے لیکن ٹیکس نہیں دیں گے کیونکہ حکومت ہمارے لیے کچھ نہیں کر رہی۔کبھی سوچا ہے کہ ہم حکومت کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہم اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں؟ اگر ہم اپنے فرائض میں کوتاہی برت رہے ہیں تو یہ امید کیسے لگا سکتے ہیں کہ حکومت سستی تعلیم، میڈیکل کی سہولیات، انفراسٹرکچر (سڑکیں، پل وغیرہ) اور اشیاء پر سبسڈی جیسی سہولیات مہیا کرتی رہے گی؟

کیا آپکو معلوم ہے کہ مختلف طرح کے ٹیکس ہیں جن میں سے ایک فیڈرل ٹیکس ہے جو دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک ڈائریکٹ اور دوسرا ان ڈائریکٹ۔ڈائریکٹ ٹیکس میں انکم ٹیکس آتا ہے۔ان ڈائریکٹ ٹیکس میں سیلز ٹیکس، کسٹم ٹیکس اور فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی شامل ہیں۔انکم کے اوپر لگنے والا ٹیکس انکم ٹیکس کہلاتا ہے۔انکم ٹیکس ''قابل ٹیکس آمدنی'' پر لگتا ہے۔قابل ٹیکس آمدن تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ماضی میں نظر دوڑائیں تو گزشتہ پانچ سال میں ایف بی آر کا جمع کردہ ٹیکس تقریباً 1900 ارب سے بڑھ کر 3800 ارب ہو چکا ہے۔ٹیکس (ایف بی آر) جی ڈی پی تناسب بھی 2013 میں 9 فیصد تھا اور اب 12 فیصد ہو گیا ہے، جبکہ ایف بی آر 22 فیصد تک ٹیکس وصول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ہم پنسل خریدنے پر بھی ٹیکس دیتے ہیں اسکے باوجود ٹیکس جمع ہونے کی مقدار ہمارے ملک کی تعمیر و ترقی اور دفاعی ضروریات سے خاصی کم ہے۔اسکی کیا وجہ ہے کہ وہ ٹیکس جو عوام کی جیب سے تو جا رہا ہے لیکن پھر بھی خسارہ پورا نہیں ہو پا رہا؟ ہماری حکومت قومی آمدن کا لگ بھگ پانچواں حصہ حکومتی اخراجات (ترقیاتی، غیر ترقیاتی، دفاعی) پر خرچ کرتی ہے، اس میں سات فی صد بجٹ خسارہ بھی شامل ہوتا ہے۔کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں ٹیکس دینے والوں سے زیادہ ٹیکس چوری کرنے والے ہیں؟

ہم آئے روز کسی نا کسی مصنوعات کے بارے میں سوشل میڈیا پر دیکھتے ہیں کہ فلاں مصنوعات کا بائیکاٹ کرو تا کہ فلاں ملک کی معیشت کو نقصان پہنچے۔اگر اسکی جگہ ہم یہ عزم کرلیں کہ اپنے ملک کی مصنوعات خریدیں تا کہ ملک کو فائدہ ہو تو ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپکا ملک کی معیشت کی گاڑی چلانے میں کوئی کردار نہیں ہے۔درحقیقت ملک کی معیشت ہم ہی چلا رہے ہیں۔ہمارے وزیر اور مشیر نہیں، ہم لوگ تنخواہ دار اور

مزدور لوگ، ملک کی صنعتیں اور کاروبار ہی ہے جن کی وجہ سے ملک کی معیشت کی گاڑی میں پٹرول ڈلتا ہے۔ ٹیکس اکھٹا کرنے والے ادارے محض ہمارے پیدا کیے ہوئے منافع کو خرچ کرنے کے طریقہ کار اور حکمت عملی بناتے ہیں۔ لہذا ٹیکس پالیسی بناتے وقت حکومت کا شہریوں کی امیدوں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ تا کہ شہریوں کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکومت کی جانب سے کی گئی کسی زیادتی کے بدلے میں ہماری جانب سے کی گئی بے ایمانیاں جائز ہیں۔ ہم ذاتی جائیداد کی حفاظت تو کر رہے ہیں لیکن اس جائیدار کی حفاظت کوئی نہیں کرنا چاہتا جو سب کی سانجھی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے ہم ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ اپنے مفادات کی خاطر ہم پاکستان میں ٹیکس کے گوشوارے جمع کروانے کے نظام کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ نیشنل ٹیکس پالیسی غیر پیداواری اثاثوں کی حوصلہ شکنی کرتی ہے لیکن ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ ہم دو غلے لوگ ہیں ایک طرف ٹیکس کے نظام کو بہتر بناتے ہوئے مالی خسارہ کم کرنے کے لیے دباؤ بڑھاتے ہیں دوسری طرف ٹیکس کی چھوٹ ختم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے یہ ہی وجہ ہے کہ پالیسی تبدیل کرنے کی جانب کوئی نہیں جانا چاہتا کیونکہ ایسا کر کے ہم اپنے من پسند لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

ہم ٹیکس جمع کرنے والے اداروں اور ملازمین کو تو غیض وغضب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (کیونکہ ہمارے خیال میں وہ لوگ بے ایمان اور کرپٹ ہیں) لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ معیشت کی گاڑی چلانے کے لیے معاشی سرگرمیاں سب سے اہم ہیں اور ٹیکس کے نظام میں بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ اگر ہم ٹیکس کی وصولی کی بات کریں تو وہ لوگ جن سے ٹیکس وصول کیا جانا چاہئے انکے دوست یا ران اداروں میں بیٹھے ہیں۔ اور نان ٹیکس کے نام پر ان لوگوں سے ٹیکس اکھٹا کیا جاتا ہے جو کے ٹیکس کے دائرے میں نہیں آتے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہم ٹیکس جمع کروانے کو عادت کو نہیں اپنانا چاہتے، کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ ہم پر

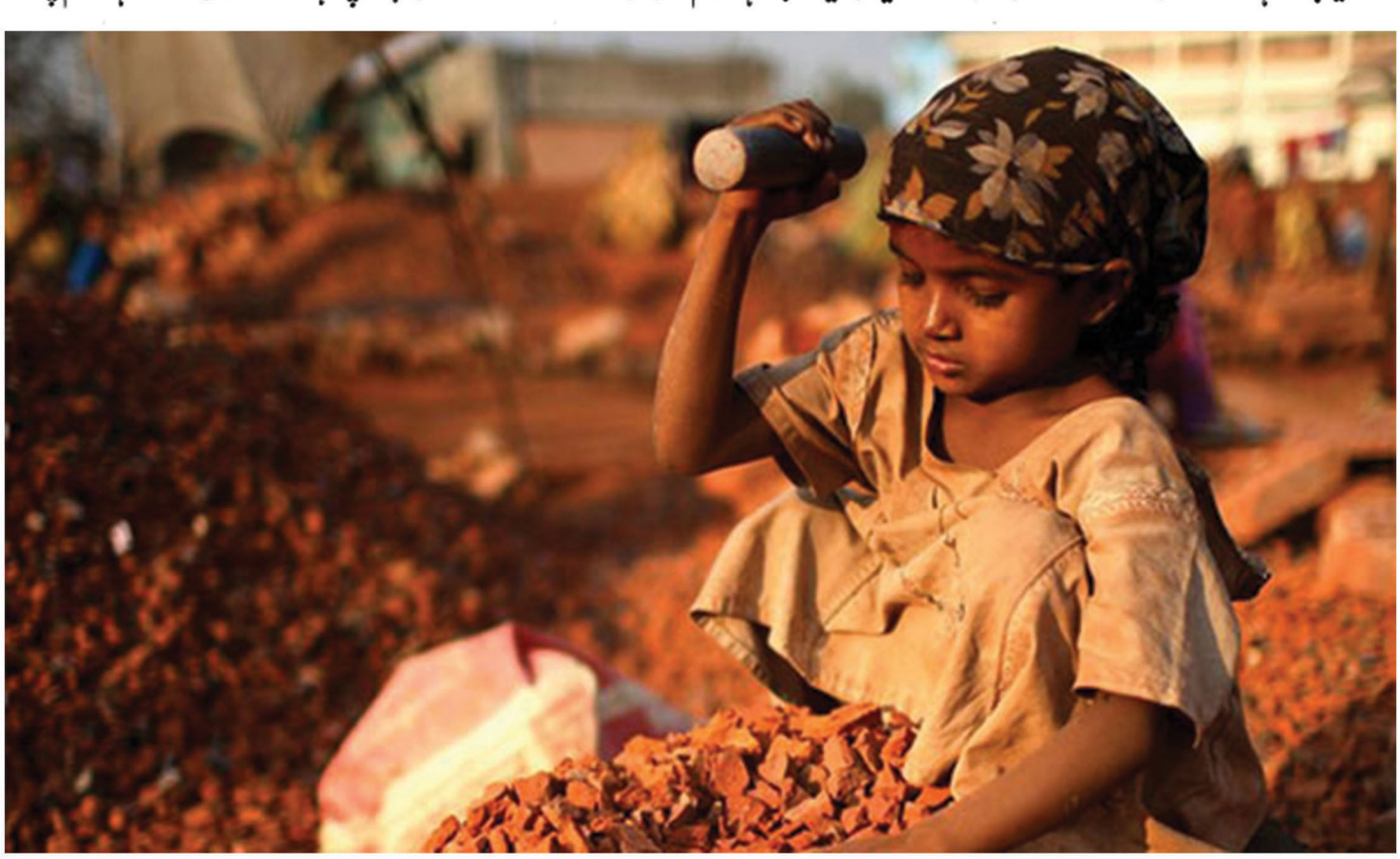

بڑھ جائے گا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں ٹیکس کے نظام میں بہتری کی ضرورت ہے وہیں ہمیں اپنی عادات بہتر بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ آج کے دور میں بھی ہم جس جمہوریت سے جمہور کی بہتری کی امید رکھ رہے ہیں وہ بہتری کی جانب نہیں اندھے کنوئیں کی جانب دھکیل رہی ہے۔

16 دسمبر 2017 کی ایک رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کے ادارہ معاشی اور سماجی کمیشن نے پاکستان میں سالانہ 540 ارب روپے کی چوری کی نشاندہی کی ہے، جس سے معیشت کو سالانہ 1.8 فیصد کا نقصان ہو رہا ہے۔ کبھی سوچا ہے کہ کیا یہ خسارہ صرف نظام کی بہتری سے جڑا ہے؟ یا کہیں ہمارا بھی کوئی کردار ہے؟ اگر یہ مان لیں کہ پہلے نظام کی بہتری کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے تو اس کے لیے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہمارے وفاقی اور صوبائی ٹیکسوں کے نظام اور مشینری میں بہتری لائی جائے۔ ہمارے ملک میں ایک کام کے لیے چار پانچ محکمے بنا دیے جاتے ہیں، پھر انکے ملازمین کی تنخواہ اور دیگر اخراجات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ محض ٹیکس جمع کرنے کے لیے ہمارے پاس پنجاب ریونیو اتھارٹی، سندھ ریونیو بورڈ، خیبر پختونخواہ وغیرہ کام کر رہے ہیں۔ کیا یورپ کی طرح ایک ہی دفتر میں وفاقی، صوبائی اور لوکل ٹیکس اکٹھے کر کے ایک فارمولے کے تحت ان ٹیکسوں کو بانٹا نہیں جا سکتا؟ یہ دور تو ٹیکنالوجی کا دور ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ ٹیکس کی بانٹ آسان نہیں ہے؟ صوبوں اور وفاق کا جھگڑا بلکہ شہروں اور صوبوں کا جھگڑا ختم کرنے کے لیے اگر وفاقی، صوبائی اور لوکل ٹیکس کی

بانٹ مناسب ہو تو معیشت کی گاڑی چلانا آسان ہو جائے گا۔ صوبوں کے تحفظات دور ہو جائیں گے اگر جس صوبے بلکہ جس شہر سے معیشت کی گاڑی میں جتنا پٹرول ڈالا جا رہا ہو اس شہر کو اس تناسب سے سہولیات فراہم کرنے میں آسانی ہوگی۔ جہاں سے معیشت کی گاڑی میں پٹرول کی کمی ہوگی وہاں حکومت کو شہریوں کو مواقع فراہم کرنے کی حکمت عملی اپنانے کا موقع بھی میسر آئے گا۔

ملک سے ٹیکس کا مرکزی اور صوبائی نظام ضم کر کے مرکزی نظام کو چند بڑے شہروں تک محدود رکھنے کی بجائے تمام شہروں اور دیہاتوں میں ہونا چاہیے۔ ہمارے ملک میں جب تک تمام دفاتر، ادارے، صنعتیں اور یہاں تک کہ دوکانیں بھی ٹیکنالوجی کی مدد سے سسٹم سے منسلک نہیں ہو جاتیں یہ کام ٹیکس اہلکاروں کو در در بھیج کر کرنے کا ہے۔ ٹیکنالوجی کی بہتری سے جائیداد کے ریکارڈ، بلوں کی ادائیگی، اور خریداری کرنے والوں کے ریکارڈ موجود ہوں گے تو ٹیکس گوشوارے جمع کروانے میں آسانی ہوگی۔ ہمارے ملک میں 12 کروڑ افراد قومی شناختی کارڈ ہولڈرز ہیں۔ شناختی کارڈ نمبر کو انکم ٹیکس نمبر بنا دیا گیا ہے اور اس پیکج کے ذریعے کوئی بھی شہری آسان آن لائن فارم بھر کر انکم ٹیکس دہندہ بن سکتا ہے۔ اس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں ٹیکس ادا کرنے والوں کی تعداد ایک فیصد سے بھی کم ہے۔

صنعتوں اور کاروبار کی پیداوار کی الیکٹرانک مانیٹرنگ کا نظام متعارف کروا کر نظام کو شفاف بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے شہریوں (صنعت کاروں اور تاجروں) کو ملک کے مفاد میں اس نظام کو متعارف کروانے کے لیے ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر خوش دلی سے نظام کو اپنانا ہوگا۔ سیلز ٹیکس کی وصولی تاجروں کے ذریعے ہوتی ہے جو اپنا سامان تیار کر کے دکاندار کو بھیجتا ہے لہٰذا وہ بوقت فروخت دوکاندار سے سیلز ٹیکس وصول کر لیتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ (سیل) انکم ٹیکس کے گوشوارے میں عموماً کم ظاہر کرتا ہے۔ اسلئے عوام/ صارفین سے وصول کیے گئے ٹیکس کا ایک بڑا حصہ کارخانہ داروں اور تاجروں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ کچھ یہی حال ود ہولڈنگ ٹیکس کا ہے ہر شے کے پیکٹ پر ود ہولڈنگ ٹیکس قیمت اشیاء میں شامل ہوتا ہے جو کارخانہ دار وصول کر چکا ہوتا ہے لیکن حکومت کے خزانہ میں اس کا کثیر حصہ داخل نہیں ہوتا بلکہ تاجروں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ انکم ٹیکس کی مد میں 65 فیصد کل وصولی کا حصہ ود ہولڈنگ ٹیکس سے کیا جاتا ہے جو عوام پر سراسر ظلم ہے۔ چنانچہ سیلز ٹیکس اور ود ہولڈنگ ٹیکس مہنگائی کا ایک بڑا سبب ہے۔

ٹیکس کے نظام میں بہتری کے لیے ٹیکس میں موجود پیچیدگیاں ختم کرنی ہوں گی، مثال کے طور پر سیلز ٹیکس میں درجہ بندیاں نہ ہوں بلکہ یکسانیت ہو اور جنرل ریٹ پر ٹیکس وصول کیا جائے۔ پاکستان کی ٹیکس ٹو جی ڈی پی شرح خطے میں سب سے کم ہے تاہم کارپوریٹ ٹیکس کی شرح 30 فیصد تک بلند سطح پر ہے، ان پر نظر ثانی کی جائے۔ سرچارج، ڈیوٹی، اور سروس خدمات پر ٹیکس جو 17 فیصد انکم ٹیکس اور 12 فیصد سیلز ٹیکس کل 29 فیصد بنتا ہے منسوخ کیا جائے یہ ٹیکس محنت کش مزدوروں پر اسرار ظلم ہے۔ یہ چند تجاویز دیکھنے میں بہت سادہ ہیں مگر ان کی تفصیل مشکل بھی ہے اور پیچیدہ بھی جس کے بارے میں کوئی معیشت دان ہی بہتر بتا سکتا ہے کہ عام شہری جیسا سوچ رہے ہیں انکو کیسے یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

مصنفہ انڈیویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

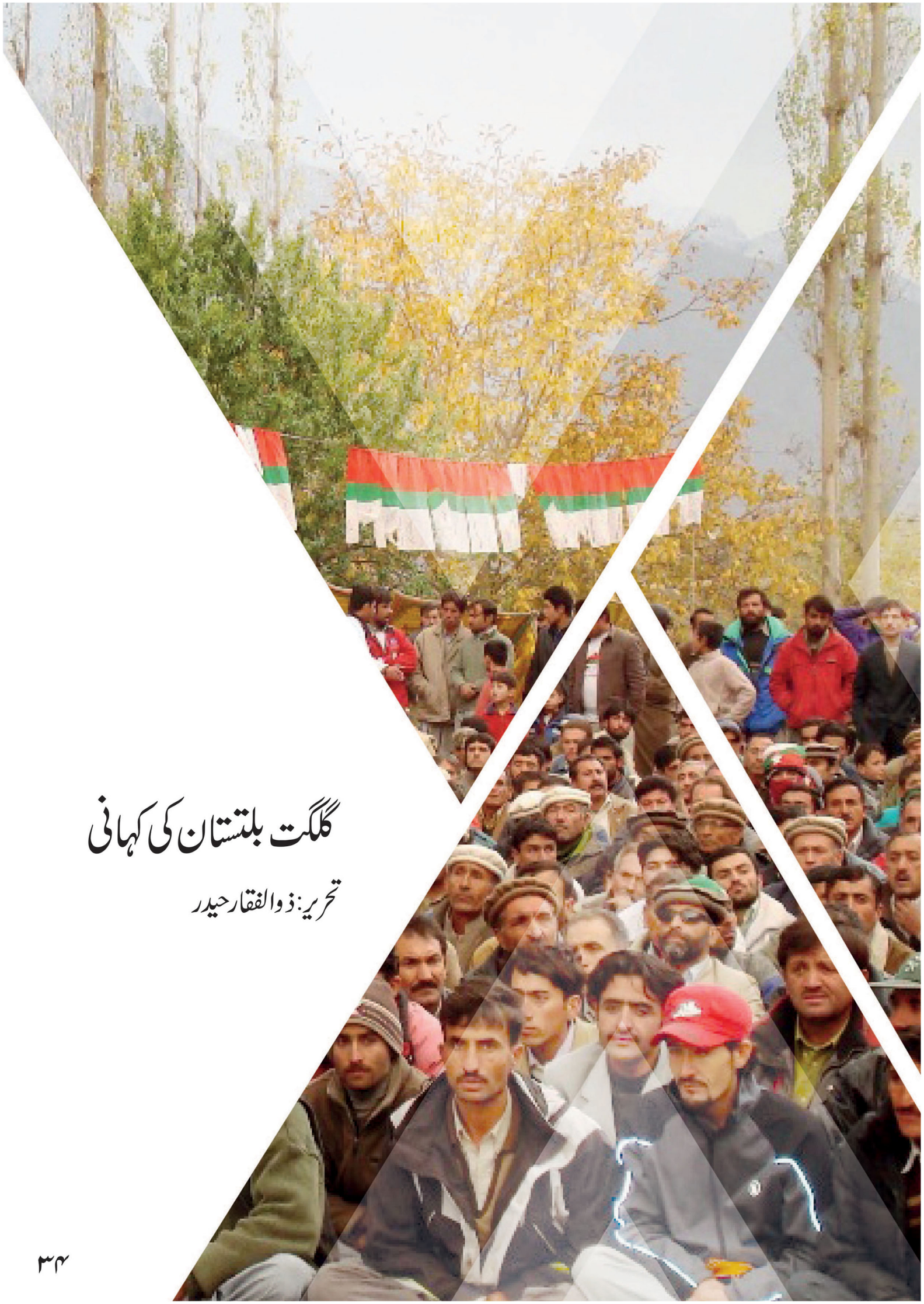

گلگت بلتستان کی کہانی

تحریر: ذوالفقار حیدر

گلگت بلتستان کی مثال ایک ایسے سیاسی یتیم کی سی ہے جسے اپنی 71 سالہ زندگی میں پاکستان کے نام کے سوا کچھ نہیں ملا۔ پاکستان سے الحاق کے پہلے چالیس سال تو یہاں کے لوگوں کو جنگلی اور غیر مہذب قرار دے کر فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن یا ایف سی آر کے تحت محکوم رکھا گیا اور بعد میں دکھاوے پر مبنی لیگل فریم ورک آرڈرز کے ذریعے یہاں کی عوام کو اُن کے بنیادی حقوق سے عاری کرنے کی کوشش جاری رکھی گئی۔ 1999 کے دوران ایک پٹیشن پر حکم جاری کرتے ہوئے سپریم کورٹ آف پاکستان نے چھ مہینے کے اندر اندر گلگت بلتستان کے شہریوں کو برابر حقوق فراہم کرنے کو کہا مگر اُس وقت کی حکومت بھی مختلف بہانوں کے ذریعے ایسا کرنے میں ناکام رہی۔ 2009 میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر کے ذریعے وہاں کی عوام کو اپنی حکومت بنانے کا حق فراہم کر دیا جس کے تحت وہاں قانون ساز اسمبلی اور کاؤنسل کے قیام کی اجازت دے دی گئی۔ البتہ ان سب تبدیلیوں کے باوجود وہاں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آسکی اور آج بھی گلگت بلتستان نا تو ایک صوبہ ہے اور نا ہی وفاق کا حصہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کی عوام کی پارلیمان میں کوئی نمائندگی نہیں اور این ایف سی ایوارڈ میں بھی کوئی حصہ نہیں۔ ان سب ناانصافیوں کے باوجود سلام ہے یہاں کی عوام کو جو نا صرف تعلیم بلکہ دوسرے تمام پیشوں میں بھی ترقی کر رہے ہیں اور 2017 کے ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس کے مطابق فاٹا اور بلوچستان سے آگے ہیں۔

سات دہائیوں پر محیط حقوق حاصل کرنے کی کوششوں کیلئے ایک نئی اُمید تب نظر آنا شروع ہوئی جب 2013 میں حکومت پاکستان نے چینی حکومت کے ساتھ چائنہ پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے پر دستخط کئے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ اس منصوبے کے تحت چائنا پاکستان میں اربوں ڈالرز کے منصوبے لگانے جا رہا ہے اور بہت سارا کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ چونکہ اس راہداری کا آغاز گلگت بلتستان سے ہوتا ہے اسلئے چین نے اپنی اربوں ڈالرز کی سرمایہ کاری کو قانونی تحفظ دینے کیلئے حکومت پاکستان کو اس علاقے کو قانونی حیثیت دینے پر زور دینا شروع کر دیا ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسی فرمائش ہے جسے پاکستان کیلئے ترک کرنا مُشکل ہوگا کیونکہ اگر اس ایک وجہ سے چین اس منصوبے سے پیچھے ہٹتا ہے تو اس میں پورے ملک کا نقصان ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو ان دونوں ممالک کے باہمی دوستی کے بڑے بڑے دعوے تھے وہ بھی دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ مگر پچھلی حکومت جاتے جاتے پھر وہی سوتیلوں والا سلوک کر گئی۔ بجائے اس کے کہ گلگت بلتستان کی قانونی اور آئینی حیثیت کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی پھر جی بی آرڈر 2018 کے نام سے ایک نیا آرڈر نافذ کر دیا گیا، جس میں بہت سی تجاویزات کو شامل کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اُس وقت کے وزیراعظم جناب شاہد خاقان عباسی نے گلگت کا دورہ کیا تو وہاں اُن کی پارٹی کی حکومت ہونے کے باوجود شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی۔

یقیناً ہم سب اس بات سے بھی واقف ہیں کہ گلگت بلتستان کو پاکستان کا آئینی صوبہ بننے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسئلہ کشمیر اور بھارت کا دعوی ہے کہ یہ علاقہ بشمول کشمیر اُن کا حصہ ہے۔ حالانکہ اس بات پر کوئی غور نہیں کرتا کہ یہاں کی عوام نے اپنی آزادی کی جنگ خود لڑی اور مہاراجہ کشمیر کی ڈوگرہ فوج کو یہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا اور پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ نا صرف یہ بلکہ اس علاقے کا کشمیر سے کوئی براہ راست تعلق بھی نہیں بنتا اور یہاں کی ثقافت اور رسم و رواج بھی کشمیریوں سے بالکل مختلف ہیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ اس علاقے سے تعلق رکھنے والے جانے کتنے ہی فوجی جوان لائن آف کنٹرول پر اپنی جانوں کے نظرانے پیش کر چکے ہوں گے مگر مجال ہے کہ کسی ایک کشمیری لیڈر نے بھی یہاں کے عوام کے حقوق کی بات کی ہو۔ بلکہ حقوق کی بات کرنا تو دور کی

بات جب بھی حکومت پاکستان سے یہاں کے لوگوں کی فلاح کے لئے کوئی قدم اُٹھایا کشمیر کے راہنماؤں نے اُن اقدام کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی ہے۔ یہ تو وہی بات ہوگئی 'ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے'۔

میں کہتا ہوں آج ریفرنڈم کروایا جائے اور گلگت بلتستان کی عوام سے پوچھا جائے کہ وہ مسئلہ کشمیر سے جڑے رہنا پسند کریں گے یا ایک خودمختار صوبے کی شکل میں پاکستان کا حصہ بننا چاہیں گے تو یقیناً 100 فیصد عوام خودمختار صوبہ بن کر پاکستان کا حصہ بننے کو ترجیح دیں گے۔ میں شاید کچھ زیادہ کہہ گیا مگر حقیقت یہی ہے اور اس پر جتنے بھی پردے ڈالیں چھپایا نہیں جاسکتا۔ اگر کشمیری آج اپنے حق خودارادیت کی بات کرتے ہیں تو گلگت بلتستان کے حق خودارادیت کا کیا؟ کیا وہ آزاد ہوکر بھی غلامی کی زندگی گزاریں؟ اور ملک پاکستان کے لئے بے انتہا قربانیوں کے باوجود اپنے بنیادی حقوق سے محروم رہیں؟ اگر فاٹا کو مرکزی دھارے میں لایا جاسکتا ہے تو گلگت بلتستان کو کیوں نہیں؟ فاٹا کے کیس کو سامنے رکھتے ہوئے گلگت بلتستان کے معاملے پر بھی اسی طرح غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اگر بیچ کی راہ ڈھونڈی جائے تو گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے پالیسی ماہرین اور ریٹائرڈ بیوروکریٹس کی آراء سے استفادہ حاصل کیا جائے اور اس علاقے کو عارضی یا عبوری صوبہ بنایا جائے پانچ سالوں کیلئے یہاں کی کارکردگی کو دیکھا جائے۔ یہاں کی عوام کو نمائندگی کا حق دیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان کے نمائندے اس علاقے کیلئے کیسی کارکردگی دکھاتے ہیں۔ یقیناً اس اقدام سے مسئلہ کشمیر کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور یہاں کی عوام کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کی بھی تلافی ممکن ہوگی۔ گلگت بلتستان بار کاؤنسل نے ایک بار پھر سپریم کورٹ سے رجوع کیا ہے کہ وہ اپنے 1999 کے فیصلے پر عمل درآمد کرواکر یہاں کے لوگوں کو بنیادی حقوق فراہم کرے۔ اُمید ہے کہ ایسا ممکن ہوسکے گا۔

مصنف انڈویجول لینڈ پاکستان میں پروگرام آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔
میگزین یا مضمون سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کریں:
info@individualland.com

Refrences:

Article 1
https://www.newsbtc.com/2018/08/28/oxfam-to-empower-cambodian-rice-farmers-with-blockchain/
http://www.hrinasia.com/hr-event/past-events/human-capital-development-conference-2017/

Article 2
https://www.energyfordevelopment.com/2010/04/bangladesh-rural-energy.html
https://www.sehd.org/

Article 3
https://www.ndtv.com/world-news/no-pakistani-women-vote-in-village-where-wives-had-vowed-to-defy-husbands-1890413

Article 4
https://www.japantimes.co.jp/news/2014/05/18/national/success-abenomics-hinges-immigration-policy/
http://www.bermudacuracao.com/tag/abilities
http://suryamalang.tribunnews.com/2018/05/03/peneliti-ung-kap-dosis-radiasi-dari-peristiwa-bom-atom-hiroshima-1945-hasilnya-mengejutkan

Article 6
http://www.senate.gov.pk/en/news_content.php?id=2333
https://pakistanlivenews.com/2016/9171/

Article 7
https://tribune.com.pk/story/1674952/1-countdown-national-assembly-begins/
https://oup.com.pk/academic-generalbooks/governance-in-pakistan.html
https://www.bbc.com/news/world-asia-44806381

Article 8
http://mapamond.net/pe-ce-salarii-pleaca-romanii-la-munca-in-strainatate-un-asistent-medical-poate-primi-si-3-000-de-euro-pe-luna/
https://www.healtheuropa.eu/life-science-sweden-success-story/85377/

Article 9
http://pakiholic.com/25-reasons-islamabad-liveable-city-pakistan/
http://hesed.info/blog/pakistani-children-school.abp
https://pakobserver.net/child-labour-rise-country/

Article 10
https://gbtimes.wordpress.com/2012/10/17/3371/
http://tns.thenews.com.pk/the-battle-for-gilgit-baltistan/#.W9lHEHszbIU

ادارے سے آگاہی

انڈویجوئل لینڈ پاکستان ایک متحرک، غیر جماعتی اور غیر منافع بخش رجسٹرڈ سول سوسائٹی ادارہ ہے۔اس کا بورڈ کل پانچ ارکان پر مشتمل ہے، جبکہ روزمرہ کے معاملات اس ادارے کے ڈائریکٹر کی ذمہ داری ہے۔ قیام سے لے کر آج تک اس ادارے نے حکومتی انتظامات، قانون کی بالادستی، میڈیا اور مراسلاتی، ہنر، سول سوسائٹی کے استحکام اور جمہوریت کی ترقی کے لئے کام کیا ہے۔

اشاعت

میڈیا سے متعلق

تنازعاتی تجزیے اور انتہا پسندی کے خاتمے سے متعلق

فرد میگزین

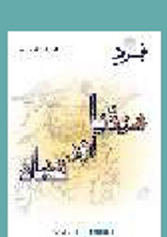

پاکستان پولیس خواتین

اگلی اشاعت مئی ۲۰۱۹ء میں

Find us
Individualland
Individualland